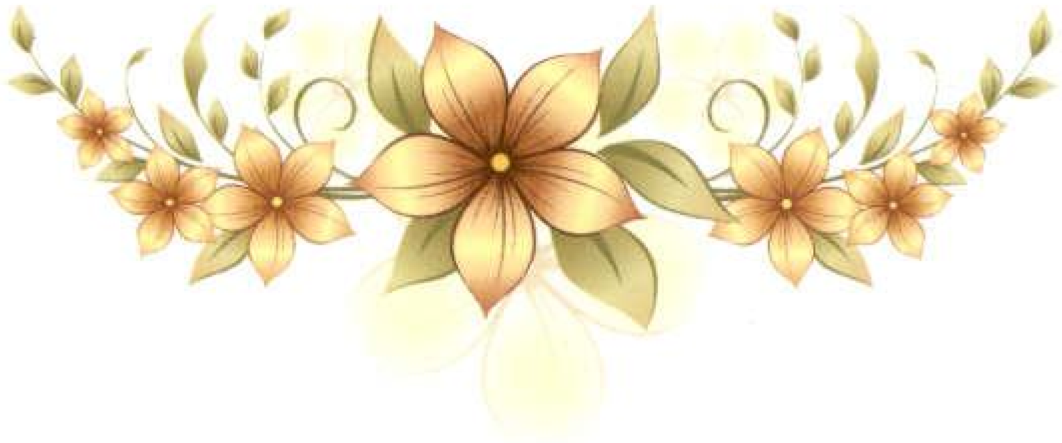
اطاعت والدین کامیابی کا زینہ ہے۔

والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنیے



جمع وترتیب

علماءِ بیت العلم

بیت العلم
اردو بازار، کراچی

والدین کے لیے

آنکھوں کی ٹھنڈک بنیے

ایک مستند، معیاری و منفرد کتاب جس میں ......

- مثالی اولاد کی صفات
- والدین کے آداب و حقوق
- کام یاب نوجوانوں کی خوبیاں
- خوش حال گھر میں اولاد کا کردار

غرض ہر نوجوان کے متعلق اسلامی تعلیمات کو بڑے دل چسپ انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

جمع و ترتیب
علماء بیت العلم

بشکریہ: بیت العلم
اردو بازار، کراچی۔

کتاب کا نام:.............. والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنیے

تاریخ اشاعت:........... صفر المظفر ۱۴۳۲ھ بمطابق جنوری ۲۰۱۱ء

ناشر

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

فون: 32726509-021-092 موبائل: 0322-2583199

ویب سائٹ www.mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون:0423-7224228

☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔ فون:0423-7228196

☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔ فون:061-4544965

☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون:051-5771798

☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون:081-662263

☆ کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔ فون:071-5625850

☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹکی گھٹی، حیدر آباد۔ فون:022-3640875

نوٹ: یہ کتاب اب آپ ادارۃ السعید سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

برائے سیلز و مارکیٹنگ: 0322-2583199

والدین کے لیے

آنکھوں کی ٹھنڈک بنیے



باسمه تعالیٰ

ضروری گزارشات

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ

ایک مسلمان بہ حیثیت مسلمان ہونے کے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے متن، ترجمہ اور تشریح کی درستگی اور صحت کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اس بارے میں عمداً غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس کتاب کی اصلاح، تصحیح، تخریج اور تحقیق علماء کرام کی ایک جماعت اور اسکولوں کے اساتذہ کرام نے مل کر اہتمام سے کی ہے اس کے باوجود............

① تمام قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ دوران مطالعہ اگر کسی قسم کی غلطی نظر آجائے تو اسے نظر انداز کرنے کی بجائے فوری طور پر ناشر سے رابطہ فرمائیں اور وہ نسخہ بھجوادیں۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اس کی اصلاح کرکے یا متبادل اصلاح شدہ نسخہ آپ کو بھجوادیا جائے گا۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہوگا۔

② ادارہ کی درسی اور اصلاحی مطبوعات میں قرآن کریم/ احادیث مبارکہ کے ساتھ شرعی تصاویر بھی شائع ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر قارئین کی نظر سے کوئی ایسی چیز گزرے جو قابل اصلاح ہو تو اس کی اطلاع ہمیں فوری طور پر دیں اور ایک دینی کام میں معاون بنیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ

طالب دعا

احباب ادارہ بیت العلم

☆ کتاب میں علمی اصلاح، اور طباعت وکتابت کے معیار سے متعلق امور پر رابطہ کے لیے نمبر:

0323-2159031, 0321-2159398

(براہ مہربانی صبح ۱۰:۰۰ بجے تا رات ۹:۰۰ بجے (سوائے جمعۃ المبارک) بات فرمائیں اس کے علاوہ SMS فرمائیں)

☆ کتاب کی قیمت، ترسیل وغیرہ سے متعلق امور پر رابطہ کے لیے نمبر:

0322-2125228, 0321-3647578, 0312-3647578

(براہ مہربانی صبح ۱۰:۰۰ بجے تا رات ۹:۰۰ بجے (سوائے اتوار) بات فرمائیں اس کے علاوہ SMS فرمائیں)

منفرد تحفہ

والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنیے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

(۱) ایک مسلمان کے لیے سب سے بہترین تحفہ کتاب ہے، چناں چہ اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب تحفے میں پیش کر کے ہم ''تَھَادَوْا تَحَابُّوْا''[1] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کے معنی ہیں: ''تم ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، آپس میں محبت بڑھے گی۔''

(۲) اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ آپ کے گھر والوں... رشتہ داروں... دوستوں... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکولوں اور مدارس کے طلبہ کے لیے مفید ہے..... تو آپ کا انھیں یہ تحفہ پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا سبب ہوگا۔

(۳) آپ اس کے ذریعے نیکی پھیلانے اور اچھی کتابوں کی اشاعت کا ثواب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلّہ، اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں معاون ومددگار رہیے۔

---

[1] موطا امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء فى المهاجرة، رقم: ٧٠٦، ٧٠٧

(۴) کتاب کو تحفہ میں دے کر آپ علم دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں، اس لیے کہ کتاب جہاں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو ان شاءَ اللہ تعالیٰ باعمل بھی ہوں گے۔

(۵) اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے کم از کم دس کتابیں لے کر رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے موقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد حاصل کیجیے۔

آپ کتاب ہدیے میں دے کر اس کے فائدے کو عام کیجیے، مطالعہ کی توفیق اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ ہمارا یہ ہدیہ ان شاءَ اللہ تعالیٰ بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

درج ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتا پھر جنھیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتا لکھیں:

ہدیہ مبارکہ

FROM مِنْ

....

....

TO اِلٰی

....

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

صاحبِ اولاد ہونے کا شرف ہر کسی کو نہیں ملتا لیکن بحیثیت اولاد زندگی گزارنے کا موقع ہر ایک کو ضرور ملتا ہے اور بھرپور ملتا ہے۔ بزرگوں کا فرمانا ہے کہ زندگی کے اس ابتدائی حصے کو اگر سعادت مندی اور فرماں برداری سے گزارا جائے تو بقیہ زندگی عافیت و راحت سے بسر ہوتی ہے۔

ہمارے دیگر گوناگوں مسائل کی طرح اس سنجیدہ مسئلہ کا یقینی حل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی مکمل پیروی ہی میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے ہر طبقے کے لیے اکمل تعلیمات کا بہترین مجموعہ بیان فرما گئے ہیں جن سے مکمل وابستگی پیدا کر کے نوجوانانِ ملت بآسانی رب کریم کی بے شمار رحمتوں اور والدین کی ڈھیروں دعاؤں کے مستحق بن سکتے ہیں۔

اسی ضرورت کے پیش نظر "احباب بیت العلم" کا مشورہ ہوا کہ بچپن و لڑکپن سے متعلق اسلام کی فطری تعلیمات کو ترغیبی انداز میں جمع کر لیا جائے تاکہ یہ کتاب ادارے کی دیگر اصلاحی کتابوں مثلاً: "ذوق و شوق سیریز"، "صحابہ کی زندگی"، "۳۶۵ کہانیاں" اور "ماہ نامہ ذوق و شوق" کی طرح نوجوانوں کی دینی تربیت کا ذریعہ بن جائے۔

زیرِ نظر کتاب میں قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور بزرگانِ دین کے ارشادات سے مثالی اولاد کی صفات نہایت عام فہم انداز میں جمع کی گئی ہیں، نیز ہر صفت کی مناسبت سے اسلاف کے سبق آموز واقعات کو دل چسپ پیرائے میں ذکر کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

الحمدللہ ہمارے شعبہ تصنیف کے ساتھی مولانا اختر علی صاحب (فاضل جامعہ

فاروقیہ کراچی) و مولانا سعید صاحب (فاضل دارالعلوم کورنگی) اور مولانا بشارت الٰہی صاحب (فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن) مبارک باد کے مستحق ہیں، جن کی کوششوں اور کاوشوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نونہالوں کی بہتر انداز میں تربیت کے لیے یہ مفید اضافہ وجود میں آیا۔ آخیر میں نظر ثانی و حوالوں کی مراجعت مولوی وصی سلّمہ بن محترم فصیح بٹ صاحب نے فرمائی اور کمپوزنگ وغیرہ کی نگرانی کے مراحل مولوی کاشف اقبال سلّمہ نے کی ہے۔ تتمیم و تکمیل کے مراحل میں مولوی صغیر و مولوی افضال صاحبان نے تعاون فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نونہالوں کی تربیت کی اس کوشش اور خدمت کو اپنے دربار عالی میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر ہم سب کی نجات کا ذریعہ بنائے اور اس میں ہونے والی ہر کمی بیشی کو معاف فرمائے، اخلاص عطا فرمائے، اس کتاب کے پڑھنے والوں اور تیاری کرنے والوں کو مزید ہدایت عطا فرمائے، آمین

اصلاح و دعا کا محتاج

محمد حنیف عبدالمجید غفرلہ ولوالدین

۵ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ



فہرست مضامین

پہلی صفت: دین داری ۸۵

دوسری صفت: علم ۱۰۴



والدین کا مقام قرآن کریم کی روشنی میں

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ان کی فرماں برداری اور ان کی تعظیم کی تعلیم دنیا کے ہر مذہب نے دی ہے، قرآن مجید میں ایک دو نہیں بیشتر مواقع پر اللہ تعالیٰ کی عبادت و توحید کی ترغیب کے بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾﴾ (۱)

ترجمہ: ”اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ اور یہ دُعا کرو: یارب! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے، تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے، اگر تم نیک بن جاؤ

(۱) بنی اسرائیل: ۲۳ تا ۲۵

تو وہ ان لوگوں کی خطائیں بہت معاف کرتا ہے جو کثرت سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کا ادب و احترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے، جیسا کہ سورۂ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے۔"[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گزار ہونا واجب ہے۔

کہ ان آیات کی رو سے اگر والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک اپنی اولاد کو کسی (جائز) کام کا حکم ماننا واجب ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کو بوڑھے والدین سے متعلق چند تاکیدی احکام دیئے ہیں:

① ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ﴾: یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان میں سے کسی ایک کو اُف بھی نہ کہو۔ اُف دل کی بے زاری کے اظہار کا کلمہ ہے، جب کوئی کسی سے تنگ آجاتا ہے یا کوئی ناگواری گزرتی ہے یا اس میں کوئی برائی ہو تو یہ کلمہ کہا جاتا ہے، فرمایا کہ یہ کلمہ ان سے نہ کہو، یعنی ان کی صحبت سے تنگ دل مت ہو اور ان کی خدمت کو بھاری نہ سمجھو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے:

"إِمَّا يَبْلُغَانِ عِنْدَكَ الْكِبَرَ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ حِيْنَ تَرِي الْأَذٰي وَ تُمِيْطُ عَنْهَا الْخَلَاءَ وَ الْبَوْلَ كَمَا كَانَا يُمِيْطَانِهِ عَنْكَ صَغِيْرًا."[2]

ترجمہ: "اگر ماں باپ بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ

(۱) تفسير قرطبي: ۵/۱۷۳، الاسراء: ۲۳
(۲) تفسير الطبري: ۱۷/۴۱۵، الاسراء: ۲۳

ڈھونا پڑ جائے تب بھی اُن کو اُف نہ کہو جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے۔"

ایک حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ تکلیف پہنچانے میں اُف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا۔(۱)

حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو تھوڑی سی بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔

(۲) ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ (والدین کو نہ جھڑکو): لفظ نہر کے معنی جھڑکنے، ڈانٹنے کے ہیں، اس کا تکلیف کا سبب ہونا ظاہر ہے یعنی ان کی بات کا جواب سختی سے نہ دے، والدین کی بے بسی کا یہ منظر نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے، اسی لیے زبان درازی سے اولاد کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھنا والدین کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکنا نہ ہو، کہیں ان کا دل ٹوٹ کر عرشِ عظیم ہی کو ہلا کر نہ رکھ دے۔

(۳) ﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ (ان سے عزت کے ساتھ بات کرو): پہلے دو حکم منفی پہلو سے متعلق تھے جن میں والدین کو ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف دینے سے روکا گیا ہے، اس تیسرے حکم میں مثبت انداز سے والدین کے ساتھ گفتگو کا ادب سکھلایا گیا ہے کہ ان سے محبت و شفقت کے نرم لہجے میں بات کی جائے، ان سے اندازِ گفتگو مہذب اور شیریں ہو۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جس طرح کوئی غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔"(۲)

اور حضرت زہیر بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِذَا دَعَوَاكَ فَقُلْ لَبَّيْكُمَا وَسَعْدَيْكُمَا." (۳) "یعنی جب ماں باپ بلائیں تو کہو کہ میں حاضر ہوں اور حکم پورا

---

(۱) تفسير قرطبي: ۵/۱۷۷، الاسراء: ۲۳

(۲) تفسير قرطبي: ۵/۱۷۸، الإسراء: ۲۳

(۳) تفسير روح المعاني: ۱۵/۷۳، الإسراء: ۲۳

کرنے کے لیے موجود ہوں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت میں "قول کریم" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هُوَ أَنْ يَّقُوْلَ: يَا أَبَتَاهْ يَا أَمَّاهْ."(۱) ترجمہ: "والدین کو "ابا" "اماں" کہہ کر پکارو۔ (اُن کا نام نہ لو)۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی:

"يَا مُوْسٰي إِنَّ كَلِمَةَ الْعَاقِ لِوَالِدَيْهِ عِنْدِيْ عَظِيْمَةٌ."(۲)

ترجمہ: "اے موسیٰ! نافرمان اولاد کی اپنے والدین سے ناگواری والی بات کرنا میرے نزدیک بڑا گناہ ہے۔"

④ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ (ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ): اس کی تفسیر میں حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم ان کے سامنے ایسی روش اختیار کرو کہ ان کی جو دلی چاہت ہو اس کے پورا ہونے میں تمہاری وجہ سے کوئی رکاوٹ نہ آئے۔"(۳)

اس آیت میں ہر مسلمان بچے سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے والدین نے تمہارے بچپن میں تمہیں اس طرح اپنے بازو کے نیچے چھپائے رکھا جس طرح پرندہ اپنے بچے کو پروں کے نیچے چھپائے رکھتا ہے، اس کا حق یہ ہے کہ ان کے بڑھاپے میں تم بھی انہیں اپنی اطاعت و محبت کے بازو کے نیچے چھپائے رکھو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ نَشَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ رِفْقٌ بِالضَّعِيْفِ وَالشَّفَقَةُ عَلَي الْوَالِدَيْنِ وَالْإِحْسَانُ إِلَي الْمَمْلُوْكِ."(۴)

---

(۱) تفسير ابي حاتم: ۳۶/۱۱، الاسراء: ۲۳

(۲) بر الوالدين لابن الجوزي باب شوم العاق لوالديه: ۷/۱

(۳) الدّر المنثور: ۲۲۵/۵، الإسراء: ۲٤

(۴) جامع الترمذي، صفة القيامة، الرقم: ۲٤۹٤

ترجمہ: ''تین چیزیں ایسی ہیں جس میں پائی جائیں اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت کو اس پر آسان کر دیتے ہیں اور جنت میں داخل فرماتے ہیں ① ضعیف پر مہربانی ② والدین پر شفقت ③ ماتحتوں پر احسان۔''

''مِنَ الرَّحْمَةِ'' کے لفظ سے اس پر متنبہ کیا کہ یہ اطاعت و فرماں برداری تمام تر محبت و شفقت کے ساتھ ہو محض دکھاوے کے لیے نہ ہو، اس لیے کہ ان کی محبت و شفقت کا حق اگر کچھ ادا ہو سکتا ہے تو وہ محبت کے جذبے ہی سے ہو سکتا ہے۔

⑤ ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (اور یہ دعا کرو: یارب! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی اُن کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے): یہ بات انسان کے بس میں نہیں کہ وہ پوری طرح اپنے والدین کو راحت و آرام پہنچائے، اس لیے فرمایا کہ اپنی استطاعت کے مطابق ان کو راحت و آرام پہنچانے کی فکر کے ساتھ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے، یہ حکم ایسا عام ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے جس کے ذریعے وہ ہمیشہ والدین کی خدمت کر سکتا ہے۔

والدین اگر زندہ ہوں تو ان کی دینی اور دنیوی زندگی میں صحت و عافیت کی دعا کرتے رہیں اور اگر فوت ہو گئے تو ان کی مغفرت کی دعا کرتے رہیں، ان کے لیے ایصالِ ثواب اور صدقاتِ جاریہ کا اہتمام رکھیں تاکہ ان کی قبر روشن ہو اور آخرت میں ان کو سکون، چین نصیب ہو۔

ایک حدیث میں نیک اولاد کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے سب اعمال ختم ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزوں کا نفع پہنچتا رہتا ہے: ① صدقہ جاریہ ② ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہوں ③ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔''(۱)

---

(۱) صحیح مسلم، الوصیة، باب ما یلحق الانسان...... الرقم: ۱۶۳۱

دعا اس طرح کرے:

”یا اللہ! جب میں بالکل کم زور تھا انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا، اپنے خیال کے موافق میرے لیے ہر ایک راحت و خوبی کی فکر کی، ہزارہا آفات و حوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے تو جو کچھ میری قدرت میں ہے، ان کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا، اس لیے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔“

⑥ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ (تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے): میں اس دل کی تنگی کو دور فرما دیا گیا جو والدین کے ادب و تعظیم کے متعلق احکامِ مذکورہ سے اولاد کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے کہ والدین کے ساتھ ہر وقت رہنا ہوتا ہے، ان کے اور اپنے حالات بھی یکساں نہیں ہوتے، کسی وقت زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا جو مذکورہ آداب کے خلاف ہو تو اس پر جہنم کی وعید ہے اور اس طرح گناہ سے بچنا سخت مشکل ہو گا۔ اس آیت میں اس شبہ اور اس سے پیدا ہونے والی دل کی تنگی کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ بغیر ارادہ کبھی کسی پریشانی یا غفلت سے بے ادبی کا کوئی کلمہ صادر ہو جائے اور پھر اس سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے واقف ہیں وہ معاف فرمانے والے ہیں۔

حسنِ سلوک کے حکم میں کافر والدین بھی شامل ہیں

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر ”معارف القرآن“ میں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیمِ والدین کا حکم دیا ہے اور ان ہی وجوہ کی بنا پر والدین کی تعظیم پچھلی شریعتوں میں واجب رہی ہے اور چوں کہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے والدین

کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے وہاں ''و بالوالدین'' میں ایمان کی قید نہیں لگائی، اشارہ اس طرف ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے، والدین خواہ کافر و فاجر ہی ہوں۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (اپنے باپ) آزر کو دعوت و تلقین میں ہمیشہ ادب اور نرمی کا لحاظ رکھا۔''(۱)

قرآن مجید میں کافر اور مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی اچھے سلوک و احسان کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ﴾ (۲)

ترجمہ: ''اور اگر وہ تم پر یہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو تو ان کی بات مت مانو اور دُنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو۔''

یعنی دین سے انکار کے بارے میں تو ان کا کہنا نہ مانو، البتہ دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو، بلکہ دنیاوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو۔

حدیث میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ہے وہ فرماتی ہیں کہ جس زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے صلح کر رکھی تھی، اس زمانے میں میری والدہ میرے پاس (مدینہ منورہ میں) آئیں اس وقت وہ مشرک تھیں، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میری والدہ آئی ہوئی ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ میں (اپنے) مال سے ان کی خدمت کروں۔'' (اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟)

(۱) معارف القرآن: ۱/ ۱۶۹، البقرہ: ۸۳

(۲) لقمان: ۱۵

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں، تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔"[1]

لہٰذا اگر والدین کافر اور مشرک بھی ہوں تو بھی ان کی خدمت کرنی چاہیے اور ان کے حقوق ادا کرنے چاہییں۔ ایک حدیث میں ہے:

"ثَلَاثٌ لَيْسَ لِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ مَا فِيهِنَّ رُخْصَةٌ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ مُسْلِمًا كَانَ أَوْ كَافِرًا، وَ الْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ لِمُسْلِمٍ كَانَ أَوْ كَافِرٍ وَ أَدَاءُ الْأَمَانَةِ إِلَى مُسْلِمٍ كَانَ أَوْ كَافِرٍ."[2]

ترجمہ: "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کسی شخص کو کوئی گنجائش نہیں:

(الف) والدین کے ساتھ احسان کرنا، چاہے والدین مسلمان ہوں یا کافر۔

(ب) جس سے عہد کر لیا جائے اس کو پورا کرنا، چاہے مسلمان سے عہد کیا ہو یا کافر سے۔

(ج) امانت کو واپس کرنا، چاہے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی۔"

والدین کے مقام پر روشنی ڈالنے والی ایک اور آیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ

(۱) صحيح البخاري، الادب، باب صلة المرءة امها...... الرقم: ۵۹۷۹

(۲) الجامع الصغير: ۲۰۹/۱، الرقم: ۳٤٦٩

الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ (۱)

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اُسے (پیٹ میں) اُٹھائے رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا اور اُس کو اُٹھائے رکھنے اور اُس کو دودھ چھڑانے کی مدت تین مہینے ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ پوری توانائی کو پہنچ گیا اور چالیس سال کی عمر تک پہنچا تو وہ کہتا ہے کہ: یارب! مجھے توفیق دیجیے کہ میں آپ کی اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی اور ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور میرے لیے میری اولاد کو بھی صلاحیت دے دیجیے۔ میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔''

والدہ کی عظیم قربانی

ان آیات میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، پھر اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ والدین کی خدمت و اطاعت ضروری ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے تمہاری پیدائش سے لے کر جوانی تک تمہارے لیے بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں، خصوصاً ماں کی محنت و مشقت بہت ہی نمایاں ہے، اس لیے یہاں بیان صرف ماں کی مشقت کا کیا گیا ہے، فرمایا:

﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ﴾

ترجمہ: ''اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اُسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا اور اس کو اٹھائے رکھنے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تین مہینے ہوتی ہے۔''

(۱) الاحقاف: ۱۵

اللہ تعالیٰ نے اس حصے میں ماں کی تین اہم مشقتوں و تکالیف کا ذکر فرمایا ہے۔

(الف) ایک طویل مدت نو ماہ تک اپنے پیٹ میں اولاد کو اٹھائے رکھتی ہے، جس دوران اس کو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

(ب) پھر ولادت کے وقت سخت درد برداشت کرتے ہوئے جان پر کھیل کر اولاد کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

(ج) بچے کے حمل اور ولادت کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت سے فراغت نہیں ملتی، کیوں کہ اس کے بعد بچہ کی غذا بھی ماں کی چھاتیوں میں اتار دی ہے، وہ اس کو دودھ پلاتی ہے۔

ان ہی پر کٹھن مراحل سے ہر ماں کو گذرنا پڑتا ہے، جن کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر اولاد پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ والدین خصوصاً ماں سے حسنِ سلوک کرے اور خدمت گذاری میں کمی نہ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ والدین کے خیال رکھنے کا حکم نہ فرماتے اور ان سے حسنِ سلوک کی تاکید نہ بھی فرماتے، تب بھی عقل سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اُن کا حق بہت ضروری اور اہم ہے، چہ جائیکہ اللہ جل شانہ نے اپنی سب کتابوں تورات، انجیل زبور، قرآن کریم میں ان کے خیال رکھنے کا حکم فرمایا، تمام انبیا کرام علیہم السلام کو اُن کے حق کے بارے میں وحی بھیجی اور تاکید فرمائی اور اپنی رضا کو والدین کی رضا کے ساتھ وابستہ کیا اور ان کی ناراضگی پر اپنی ناراضگی مرتب فرمائی۔''[1]

والدہ کی ان عظیم قربانیوں اور خدمات کا صلہ کوئی بھی انسان عمر بھر میں نہیں دے سکتا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی ماں کو سخت گرم و

(۱) تنبیہ الغافلین، باب حق الوالدین: ۱/۶۵

پتھریلی زمین میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر چھ میل لے گیا۔ وہ زمین اتنی گرم تھی کہ میں اگر اس پر گوشت کا ایک ٹکڑا ڈال دیتا تو وہ پک جاتا! کیا میں نے ان کے احسانات کا بدلہ ادا کر دیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

"لَعَلَّهُ أَنْ يَكُوْنَ لِطَلَقَةٍ وَاحِدَةٍ."[1]

"شاید دردِزہ (ولادت کے وقت کے درد) کی ایک ٹیس و تکلیف کا بدلہ ہو گیا ہو (باقی تکالیف اور احسانات تو اس کے علاوہ بہت ہیں)۔"



(۱) مجمع الزوائد، باب ما جاء في البر: ۲/۴۳۵

والدین کا مقام احادیث کی روشنی میں

جس طرح اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ان کی اطاعت اور ادب و احترام کا ذکر فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کا مقام، ان کی خدمت اور ان کے ادب و احترام کی تاکید متعدد احادیث میں بیان فرمائی ہے اور ان کی نافرمانی، ان کے ساتھ بد سلوکی اور تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔

کیوں کہ یہ محض ایک خاندانی اور دنیوی رشتہ نہیں ہے کہ ہر انسان اپنی سمجھ، اپنی دلی کیفیت اور حالات کے تقاضے کے مطابق جیسا مناسب سمجھے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرے، بلکہ خاندانی اور دنیوی رشتے کے ساتھ یہ ایک دینی معاملہ بھی ہے، اللہ کے دین اور اللہ کی اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ والدین سے نیک سلوک کیا جائے، ان کی خدمت کی جائے، ان کا ادب و احترام کیا جائے اور ہر طرح انہیں خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر کوئی شخص والدین کا نافرمان ہے تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول کا بھی نافرمان ہے، وہ صرف ایک خاندانی اور دنیوی جرم نہیں کر رہا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی مجرم ہے اور اس کوتاہی پر اس سے اللہ کے یہاں پوچھ ہوگی۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

''سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَي اللّٰهِ، قَالَ: اَلصَّلٰوةُ عَلٰي وَقْتِهَا قَلْتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهٗ لَزَادَنِي'' (۱)

---

(۱) صحيح البخاري، الادب، البر والصلة، الرقم: ۵۹۷

ترجمہ: "میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (سب سے محبوب عمل یہ ہے کہ) "نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے" میں نے دوبارہ عرض کیا: "نماز کے بعد سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "والدین کے ساتھ حسنِ سلوک" میں نے پھر عرض کیا: "والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اگر میں اور زیادہ دریافت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں برابر مجھے بتاتے رہتے۔"

حسنِ سلوک میں والدہ کا حق مقدم ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے دریافت کیا: "میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تیری والدہ۔"

اس نے پھر پوچھا: "اس کے بعد کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تیری والدہ۔"

اس نے (تیسری مرتبہ) پھر دریافت کیا: "اس کے بعد کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تیری والدہ۔"

پھر پوچھا: "پھر اس کے بعد کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (چوتھی مرتبہ) ارشاد فرمایا: "تیرے والد۔"[1]

(۱) الادب المفرد، باب بر الاب: ١٤، الرقم: ٥

فائدہ: اس حدیث سے یہ بات وضاحت سے معلوم ہوئی کہ حسنِ سلوک و خدمت میں ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے، اس لیے کہ اولاد کی پیدائش و پرورش میں سب سے زیادہ تکلیفیں ماں ہی کو برداشت کرنا پڑتی ہیں ماں جس طرح اپنی ذات کو بھلا کر بچے کو پالتی ہے جس شفقت سے راتوں کو جاگ جاگ کر دودھ پلاتی ہے اور بچے کی خاطر اپنے دن کا آرام اور رات کی نیند مسلسل قربان کرتی ہے، اس خدمت و جان نثاری کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ حضرت مولانا تقی عثمان صاحب مزید تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہو تو ماں کو زیادہ دینا چاہیے۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ دو چیزیں علیحدہ ہیں، ایک ہے ”تعظیم“ اس میں تو باپ کا حق ماں پر مقدم ہے، اور دوسری چیز ہے ”حسنِ سلوک“ اور ”خدمت“ اس میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے ”تعظیم“ کا مطلب ہے کہ دل میں اس کی عظمت زیادہ ہو، اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، اس کے سرہانے نہ بیٹھے، یا جو تعظیم کے آداب ہیں اس میں باپ کا حق مقدم ہے، لیکن جہاں تک خدمت کا تعلق ہے، اس میں ماں کا حق مقدم ہے، اور باپ کے مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ ہے۔“(۱)

روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو اٹھائے ہوئے طواف کرا رہا تھا، اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ایک سانس کا بھی حق ادا نہیں ہوا“(۲)

صحیح بات ہے اگر ہم ساری زندگی والدہ کی خدمت کریں تو بھی ان کا حق ادا

---

(۱) اصلاحي خطبات: ٤/ ٧٤

(۲) مجمع الزوائد، باب ماجاء في البر: ٣/ ٤٣٥

نہیں ہو سکتا۔

تاہم اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سب سے زیادہ اپنی والدہ کو آرام پہنچائیں، ان کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اور ان کے مامتا بھرے دل کو کبھی دکھی نہ ہونے دیں یعنی ہماری والدہ نے بچپن میں ہمارے جذبات کا ہر اعتبار سے خیال رکھا اب ہم ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ (۱)

والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھنا عبادت ہے

والدین عظمت کے اس مقام پر ہوتے ہیں کہ ان پر محبت بھری نگاہ ڈالنا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ اگر آپ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت کریں گے تو آپ اپنے نامۂ اعمال میں عظیم الشان نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر سکتے ہیں، اس لیے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا عام حالات میں ایسا عمل ہے جس میں محنت و مشقت زیادہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اتنا آسان بنایا ہے کہ ان کو ایک مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھ لینا بھی ثواب میں حج و عمرے کے برابر ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ إِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلاَّ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً، قَالُوْا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ، قَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ.“ (۲)

ترجمہ: ”ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والی اولاد جب بھی رحمت کی نظر سے ماں باپ کو دیکھے تو ہر نظر کے عوض اللہ جل شانہ اس کے لیے مقبول حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۱) ابن کثیر: ۳/۳۵

(۲) الجامع لشعب الإيمان، باب في بر الوالدين، الرقم: ۷٤٦٤

نے عرض کیا اگرچہ روزانہ سو مرتبہ نظر کرے؟ (پھر بھی یہی ثواب ملے گا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں، اللہ بہت بڑا ہے (جو کسی کو دینا چاہے دے سکتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں) اور وہ بہت زیادہ پاک ہے (اس کی طرف نقصان اور کمی کی نسبت کسی طرح درست نہیں)۔"

فائدہ: حجِ مبرور (یعنی وہ حج جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو چکا ہو) ایک عظیم سعادت ہے جو کسی کسی خوش نصیب کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ جل شانہ ایک حجِ مبرور کرنے والے سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح ایسے شخص کو بھی اپنی رضا اور مسرت سے مالا مال فرماتے ہیں جو والدین کی اطاعت و فرماں برداری پر کمر بستہ رہے، گویا والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی فرماں برداری حجِ مبرور کی طرح ایک بڑی نیکی ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنائے۔

والدین سے حسن سلوک عمر میں برکت کا ذریعہ ہے

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ایسا مبارک و مقدس عمل ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کے ساتھ ساتھ عمر میں بھی اضافہ اور برکت عطا فرماتے ہیں، یہ حسنِ سلوک کا دنیوی فائدہ ہے، آخرت کا اجر و ثواب علاحدہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّمَدَّ لَهٗ فِيْ عُمْرِهٖ وَيُزَادَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ." (۱)

---

(۱) مسند احمد: ۲۶۶/۳ الرقم: ۱۳۳۹۹

ترجمہ: ''جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کی روزی میں کشادگی ہو اس کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور (رشتہ داروں) کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔''

اسی طرح دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے:

''مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ طُوْبٰي لَهُ، زَادَ اللّٰهُ فِيْ عُمْرِهٖ.''

ترجمہ: ''جس آدمی نے والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا معاملہ کیا، اس کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر کو دراز کر دے گا۔''(۱)

فائدہ: عمر کے بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ حسنِ سلوک کرنے والے کی عمر میں برکت اور نیکیوں کی توفیق ہوتی ہے اور آخرت میں کام آنے والے اعمال میں اوقات کا استعمال آسان ہو جاتا ہے یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور ایک مہلت ہے کہ انسان آخرت کی زندگی کو کام یاب بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائے۔

قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان کی ساری زندگی اعمالِ خیر میں گزرے تو یہ نہایت محمود ہے اور اگر اعمال بد میں گزرے تو یہ بہت ہی برا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ''بہترین انسان کون ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ'' جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ پھر پوچھا گیا: ''بدترین انسان کون ہے؟'' فرمایا: ''مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ'' جس کی عمر زیادہ اور اعمال برے ہوں۔(۲)

لہٰذا اولاد کے لیے ماں باپ کی خدمت کے صلے میں لمبی عمر اللہ تعالیٰ کا زبردست انعام ہے اور اس بات کا موقع اور سہولت ہے کہ اولاد اپنی نیکیوں میں کچھ اور اضافہ کر لے اور اپنے ماں باپ کی خدمت بجالا کر مزید اللہ تعالیٰ کی رحمت کی مستحق بن جائے۔

---

(۱) مستدرك للحاكم: ٤/ ٢٦٤، الرقم: ٧٣٣٧

(۲) مسند احمد: ٥/ ٤٠، الرقم: ١٩٩٠٢

اولاد کی کمائی میں والدین کا حق ہے

جب ہم اپنے دست و بازو سے کمانے کے قابل ہو جائیں تو اس وقت ہمارا فرض ہو گا کہ ہم اپنے والدین کی مدد کرنے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ کریں کیوں کہ انہیں کے سایۂ شفقت میں ہم چھوٹے سے بڑے ہوئے، انہیں کی بدولت ہمیں یہ سب کچھ آسائش و آرام حاصل ہوا اور وہی ہمیں اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ کر کے سکھا پڑھا کر اس قابل بنانے کا ذریعہ بنے ہیں کہ ہم کما سکیں، ان تمام شفقت بھری خدمتوں سے ہمارے گمان کے مطابق اگرچہ ہم محروم بھی ہوں تب بھی اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق ہم پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہر لحاظ سے مالی تعاون کریں کیوں کہ جس طرح ان کا ہمارے اوپر حق ہے اسی طرح ہمارے مال میں بھی ان کو پورا پورا حق حاصل ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

”یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! إِنَّ لِيْ مَالًا وَّوَلَدًا، وَإِنَّ أَبِيْ یُرِیْدُ أَنْ یَجْتَاحَ مَالِيْ.“

ترجمہ: ”اے اللہ کے رسول! میرے پاس مال ہے اور اولاد ہے اور میرے والد میرا مال مکمل طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِیْكَ.“ (۱)

ترجمہ: ”تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے۔“

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اولاد کے مال میں والدین کو پورا پورا حق حاصل ہے وہ اگر ضرورت مند ہوں تو جب چاہیں اولاد کے مال سے اپنی ضروریات

---

(۱) سنن ابن ماجہ، التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، الرقم: ۲۲۹۱

پوری کر سکتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں والدین پر خوش دلی سے خرچ کرنا چاہیے ہمارے دل میں کوئی ناگواری نہ ہو۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں کھجور کے ایک درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ گئی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (درخت بیچنے کے بجائے) اندر سے کھود کر کھجور کے درخت کو کھوکھلا کر دیا اور اس کا گودا نکال کر اپنی والدہ کو کھلا دیا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا حال آں کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک کھجور کے درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ چکی ہے؟ انہوں نے فرمایا: میری والدہ نے کھجور کا گودا مجھ سے مانگا تھا اور میری عادت یہ ہے کہ جب میری والدہ مجھ سے کچھ مانگتی ہیں اور اس کا دینا میرے بس میں ہو تو وہ چیز ضرور ان کو دیتا ہوں۔"[1]

والدین کی خدمت نفلی جہاد سے مقدم ہے

جہاد دین اسلام کا اہم رکن ہے، اس کے بہت بڑے فضائل ہیں۔ حدیث میں آتا ہے "جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا سے اس طرح گناہوں سے پاک صاف کر کے لے جاتے ہیں جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔"[2]

لیکن جس وقت والدین ضعیف ہوں اور خدمت کے محتاج ہوں، انہیں آپ کی خدمت کی ضرورت ہو، آپ کے بغیر ان کا کام نہیں چلتا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اسی میں ہے کہ آپ ان کی خدمت میں رہ کر، ان کو آرام پہنچا کر اجر حاصل کیجیے۔

---

(۱) مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة، ذكر اسامة، الرقم الحديث:٦٦٠٨

(۲) مآخذه: سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في الفضل ......: ۱۵۵/۲، الرقم: ۲۳۹۹

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: "ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس دو چیزوں پر بیعت کرنے آیا ہوں، ایک ہجرت پر اور ایک جہاد پر اور میری نیت اللہ تعالیٰ سے صرف اجر و ثواب طلب کرنا ہے" (یعنی کوئی اور ارادہ شامل حال نہیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "هَلْ مِنْ وَالِدَيْكَ أَحَدٌ حَيٌّ؟" کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہیں؟

اس شخص نے جواب دیا: "ہاں، بلکہ ماں باپ دونوں زندہ ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "فَتَبْتَغِي الْأَجْرَ مِنَ اللّٰهِ؟" "کیا تم واقعی اجر و ثواب چاہتے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "جی ہاں!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَارْجِعْ إِلٰي وَالِدَيْكَ، فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا" (۱)

ترجمہ: "میرے ساتھ جہاد کرنے کے بجائے تم اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔"

فائدہ: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کو مقدم فرمایا۔ اس لیے کہ ایسی بے کسی کی حالت میں اسلام میں ماں باپ کی رفاقت اور ان کی خدمت ہجرت اور جہاد جیسے افضل عمل سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

دوسری بات اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اپنی مرضی سے کسی نیک کام کو دوسرے نیک کام کے بدلے اختیار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے بڑوں سے مشورہ کر لینا چاہیے۔

---

(۱) صحیح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدین، الرقم: ۲۵۴۹

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف سے اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ بس! اس تقاضے کو پورا کرو، اس کا نام دین ہے۔ اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہو گیا ہے، اس شوق کو پورا کر رہا ہوں، مثلاً: کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھوں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں جہاد پر جاؤں، تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب کام دین کے کام ہیں۔ اور باعث اجر و ثواب ہیں، لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں، اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے صف اول میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اب اس وقت میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقاضہ یہ ہے کہ صف اول کی نماز کو چھوڑ دو، اور والدین کی خدمت انجام دو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو، اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لیے مسجد میں چلے گئے اور صف اول میں جا کر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہو گا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مسجد کہیں دور ہے، مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا، اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو تکلیف ہو گی۔ لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہ ہو گی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس

صورت میں اس کو مسجد میں جا کر جماعت ہی سے نماز ادا کرنی چاہیے۔[۱]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک آدمی یمن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوا (اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟"

اس آدمی نے عرض کیا: "ہاں! میرے ماں باپ ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا: "کیا تمہارے ماں باپ نے تمہیں اجازت دی ہے؟"

اس آدمی نے عرض کیا: "نہیں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم واپس جاؤ اور اپنے ماں باپ سے اجازت طلب کرو، پس اگر وہ تمہیں اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کرو اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت میں رہ کر ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔"[۲]

فائدہ: والدین کی خدمت اہم ہونے کا اندازہ اس سے لگا لیجیے کہ ایک آدمی میلوں دور سے ہجرت کر کے دین کی سربلندی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اجازت چاہتا ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صرف اس لیے لوٹایا کہ وہ ماں باپ سے اجازت لے کر نہیں آیا تھا۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آیا، جس کو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ تم اس بستی میں جانے کی تیاری کر لو جس کے رہنے والے ظالم ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ وہ بستی تمہیں فتح کر کے دیں گے۔ آپ کا اشارہ خیبر کی طرف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے ساتھ کم زور سواری والا نہ جائے۔

یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جا کر اپنی والدہ سے عرض کیا کہ میرا سامان سفر تیار کر دیجیے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کی تیاری کا حکم فرمایا

---

(۱) اصلاحی خطبات: ۶۲/۴

(۲) سنن ابي داود، الجهاد، باب في الرجل يغزو و ابواه كارهان، الرقم: ۲۵۳۰

ہے۔ ان کی والدہ نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکتی، پھر تم کیسے جا سکتے ہو؟ لیکن حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔ ان کا اصرار دیکھ کر والدہ نے اپنے دودھ پلانے کا واسطہ دے کر ان کو روکنا چاہا (لیکن آپ نہ مانے)۔ ان کی والدہ نے چپکے سے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ساری بات عرض کر دی آپ نے ان کی باتیں سنی اور فرمایا: جاؤ، تمہارا کام تمہارے بغیر ہی ہو جائے گا۔

اس کے بعد جب حضرت ابوہریرۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دوسری طرف منہ کر لیا حضرت ابوہریرۃ نے یوں اعراض کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا درج ذیل واقعہ بھی ہے:

"أَنْتَ الَّذِيْ تُنَا شِدُكَ أُمَّكَ وَ أَخْرَجَتْ ثَدْيَهَا تُنَا شِدُكَ بِمَا رَضِعَتْ مِنْ لِبَنِهَا أَيَحْسِبُ أَحَدُكُمْ إِذَا كَانَ عِنْدَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا أَنَّهُ لَيْسَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَلْ هُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِذْ بَرَّهُمَا وَأَدّٰى حَقَّهُمَا."

"تمہاری والدہ نے تمہیں اپنے دودھ کا واسطہ دیا لیکن تم نے پھر بھی نہ مانا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے والدین کے یا کسی ایک کے پاس رہو گے تو تم اللہ کے راستے میں نہیں ہو؟ آدمی جب والدین کے پاس رہ کر ان کی خدمت اچھی طرح کرتا ہے اور ان سے حسنِ سلوک کرنے کا حق ادا کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہی ہوتا ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد دو سال تک میری والدہ زندہ رہیں۔ اُن کی حیات میں میں کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوا۔[1]

---

(۱) مجمع الزوائد، باب غزوة خيبر: ۱۴۷/۶

والد کے احسانات

اولاد کی پیدائش سے جوان ہونے تک سارے اخراجات والد ہی برداشت کرتا ہے۔

پیدائش پر خرچہ، کھانے پینے، پہننے اور اوڑھنے کا خرچہ، ان کی صحت و آرام پر خرچہ غرض اولاد کی پرورش کے لیے ہر قسم کے اخراجات کو برداشت کرنا یہ تنہا والد ہی کرتا ہے۔

سردی، گرمی میں دن بھر روزی کمانے کے واسطے محنت کرنا یہ آسان کام نہیں ہے، اس میں ذہنی اور جسمانی قوت صرف ہوتی ہے، لیکن والد صاحب پھر بھی سخت سے سخت مشقتیں جھیل کر اولاد کی خاطر اس مشکل محنت کو سرانجام دیتے ہیں۔

وہ اولاد کے حقوق پورے کرنے میں ہی خوش و مطمئن ہوتے ہیں اس لیے جب وہ گاڑھے پسینے سے کمائی ہوئی دولت کو اولاد پر بے دریغ خرچ کر کے ان کو خوش و خرم دیکھتے ہیں تو ان کی ساری تکان دور ہو جاتی ہے ان کی محبت کے جذبات کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا جب والد ہماری خاطر اتنی تکلیف و مشقت برداشت کرتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ان کی خوب خدمت کریں، اپنے آرام و لطف کو ان کی آسائش و راحت پر قربان کر دیں۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے:

”رِضَا الرَّبِّ فِيْ رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ.“[1]

ترجمہ: ”اللہ کی رضا والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔“

اس حدیث سے ہم اندازہ لگالیں کہ والد کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی

---

(۱) جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء من الفضل ......، الرقم: ۱۸۹۹

خدمت کرنا کتنی بڑی سعادت ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا پروانہ مل جاتا ہے اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی اللہ کی رضامندی کا پروانہ مل جائے تو ہم دل و جان سے اپنے والد کی خوب خدمت کریں، ان کی تعظیم کریں جس قدر ہو سکے ان کا تعاون کریں اور ان کے ساتھ پیار و شفقت و محبت کا رویہ اختیار کریں، ادب سے پیش آئیں اور تیوری چڑھے ہوئے ترش چہرے کے ساتھ ان کے سامنے آنے سے اجتناب برتیں، ہر وہ کام کریں جن سے ان کو دلی مسرت حاصل ہوتی ہو ان کی خدمت کے ساتھ ان کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھیں۔

غرض یہ کہ اگر آج ہم نے ان کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہوئے بخوبی سر انجام دیا تو کل ہماری اولاد بھی ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بَرُّوْا آبَاءَ كُمْ تَبَرُّكُمْ أَبْنَاؤُكُمْ."[1]

ترجمہ: "تم اپنے والدین کی فرماں برداری کرو، تمہارے بچے تمہاری فرماں برداری کریں گے۔"

لہٰذا ہم ابھی سے نیت کریں کہ اپنے والدین کی خدمت کریں گے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کی خلوص دل سے خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خدمتِ والدین کی برکت سے موت کے منہ سے نجات

والدین کی خدمت اور فرماں برداری کا انعام اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل ہوتی ہے ارر ان ہی کی خدمت سے جنت ملتی ہے یہ تو آخرت کا انعام ہے، لیکن اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے انعام

(۱) المستدرك لحاكم، البر و الصلة، عفوا عن نساء الناس، رقم: ۷۳٦۷

اور رحمت سے محروم نہیں رکھتا جو سچے دل سے والدین کی خدمت کرتے ہیں اور ان کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خود ہی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بنی اسرائیل کے تین آدمیوں کا بڑا ہی دل چسپ واقعہ سنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک مرتبہ تین آدمی کہیں سفر پر جا رہے تھے، بارش بڑے زور کی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ رات گزارنے کے لیے ایک غار میں جانے پر مجبور ہو گئے، ابھی وہ غار میں داخل ہوئے ہی تھے کہ پہاڑ سے ایک پتھر لڑھکتا ہوا آیا جس نے غار کے منہ کو بند کر دیا، انہوں نے محسوس کیا کہ اس مصیبت سے نجات حاصل ہونے کی صورت یہ ہے کہ اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔

لہٰذا ایک آدمی نے دعا مانگتے ہوئے کہا: ''اے اللہ! میرے ماں باپ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے تھے اور میں اپنے بیوی بچوں سے پہلے ان کو دودھ دیتا تھا، ایک دن بکریاں چرانے کے لیے میں دور چلا گیا اور شام کو واپس (دیر سے) لوٹا۔

جب میں دودھ نکال کر حسبِ معمول ان کی خدمت میں پہنچا تو وہ سو چکے تھے، ان کا جگانا مجھے نامناسب معلوم ہوا اور ان کو دودھ دینے سے پہلے اہل و عیال کو دودھ دینا بھی ناگوار گزرا چنانچہ میں رات بھر دودھ کا پیالہ ہاتھ میں اٹھائے ماں باپ کے پاس کھڑا رہا، جب کہ بچے میرے پاؤں کے پاس بھوک سے روتے اور چلاتے رہے۔

یہاں تک کہ صبح طلوع ہوئی اور والدین نیند سے بیدار ہوئے انہیں پہلے دودھ پلایا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہم سے اس پتھر کی مصیبت کو دور فرما جس میں ہم مبتلا ہیں۔'' پتھر تھوڑا سا سرک گیا، لیکن غار سے نہ نکل سکتے تھے۔

دوسرے نے کہا: ''اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جو مجھے تمام دنیا سے

زیادہ بھلی دکھائی دیتی تھی میں نے اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اور جب میں نے اس پر قابو پالیا تو اس نے کہا: اللہ سے ڈر، ایسا نہ کر۔ میں وہاں سے ہٹ گیا، حال آں کہ اس لڑکی سے مجھے شدید محبت تھی اور ان دیناروں کو وہیں چھوڑ کر آ گیا جو میں نے اس کو دیے تھے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا مندی کے لیے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما''، پتھر تھوڑا اور ہٹ گیا، لیکن باہر نکلنے کی گنجائش اب بھی نہ تھی۔

تیسرے نے کہا: اے اللہ! میں نے چند مزدور اجرت پر لگائے تھے، ایک مزدور کے علاوہ سبھی مزدوروں کو ان کی اجرت دے دی گئی، وہ اپنی مزدوری کو (کم سمجھتے ہوئے) چھوڑ کر چلا گیا میں اس کی مزدوری کو تجارت میں لگا کر بڑھاتا رہا، یہاں تک کہ مال بہت زیادہ ہو گیا۔

کچھ عرصے کے بعد وہ میرے پاس آیا، اس نے کہا: ''اے اللہ کے بندے! مجھے میری مزدوری دے دیجیے'' میں نے کہا: ''جو کچھ تو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے سب تیرا مال ہے، اونٹ، گائے، بکریاں، غلام سب تیرے ہیں، اس نے کہا: ''اے اللہ کے بندے! میرے ساتھ مذاق نہ کر۔'' میں نے کہا: ''میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کر رہا۔''

وہ شخص تمام مال لے کر چلا گیا اور کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوش نودی کے لیے کیا ہے تو ہم سے ہماری مصیبت دور فرما۔'' پتھر غار کے منہ سے ہٹ گیا اور وہ باہر نکل آئے اور چل دیئے۔[1]

فائدہ: اس شخص کی اپنے والدین کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ ایک طرف اس نے اپنی مشقت کی پرواہ کیے بغیر ماں باپ کی راحت و آرام کے خاطر ساری رات اس حالت میں گزاری کہ دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا رہا اور انہیں جگانا گوارہ نہ کیا، تاکہ ان کے آرام میں خلل واقع نہ ہو جائے۔ دوسری طرف اسے

(۱) صحيح البخاري، الادب، باب اجابة دعا من بر والديه، الرقم: ۵۹۷۴

اپنے ماں باپ کے حقوق کا کس قدر خیال تھا کہ اس کے اپنے چھوٹے بچوں پر والدین کو ترجیح دی، حال آں کہ آدمی اپنی اولاد کو ادنیٰ تکلیف میں دیکھنا نہیں چاہتا۔

اسی کے صلے میں اس فرماں بردار بیٹے کی دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ایک بڑی مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔

ماں کی خدمت ذریعۂ مغفرت ہے

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک بھائی نہایت عبادت گزار تھے، وہ اکثر دن رات عبادت میں مشغول رہتے تھے اور دونوں بھائی اپنی والدہ کی خدمت بھی خوب کرتے، لہٰذا اگر ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ رات کو عبادت میں مشغول رہتے تو دوسرے بھائی پوری رات ماں کی خدمت گزاری کرتے رہتے۔

ایک دن جب دوسرے بھائی کا نمبر ماں کی خدمت کرنے کا تھا تو انہوں نے آپ سے کہا:

”اگر آپ میری جگہ والدہ کی خدمت میں رہ جائیں تو میں رات بھر عبادت کر لوں۔“

آپ نے ان کو اجازت دے دی اور خود ماں کی خدمت میں رہے لیکن اسی رات عبادت کی ابتدا کرتے ہی آپ کے بھائی نے یہ آواز سنی: ”ہم نے تمہارے بھائی کی مغفرت کر دی اور تمہیں بھی ان کے ساتھ بخش دیا۔“

یہ سن کر ان کو حیرت ہوئی اور عرض کیا: ”یااللہ! میں تو تیری عبادت کر رہا ہوں اور وہ ماں کی خدمت گزاری میں ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ میری مغفرت کرنے کے بجائے اس کی مغفرت کر کے مجھے اس کا طفیلی بنایا گیا؟“

آواز آئی کہ ہمیں تیری عبادت کی حاجت نہیں، بلکہ محتاج ماں کی خدمت کرنے والی اطاعت ہمارے لیے باعث خوش نودی ہے۔(۱)

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء: ۳۰۳

”حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی ”عمر“ تو نماز پڑھنے میں رات گزارتا تھا اور میں والدہ کے پاؤں دبانے میں رات گزارتا تھا، مجھے اس کی کبھی تمنا نہیں ہوئی کہ اُن کی رات (کا ثواب) میری رات کے بدلے مجھے مل جائے۔“(۱)

فائدہ: والدین کی خدمت نفلی عبادات سے افضل ہے۔ سچے دل کے ساتھ والدین کی خدمت کرنے والا...... راتوں کو جاگنے والے عبادت گزار سے مقام و درجے میں بڑھ جاتا ہے۔

اور جس کو یہ دونوں خیر کے کاموں کی توفیق ہو جائے تو وہ ان دونوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے والدین کی خدمت کے ساتھ ساتھ اگر نفلی عبادات ادا کرنے کا تھوڑا بھی موقع میسر آجائے تو اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر موقع نہ ملے تو فرائض کی ادائیگی کے بعد والدین کی خدمت ہی کو افضل جانے۔

خدمتِ والدین کا صلہ

”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ”الٰہی! مجھے میرا رفیقِ جنت میں دکھلا دے۔“

ارشادِ خداوندی ہوا: ”فلاں شہر میں جائیے! وہاں آپ کو ایک قصاب ملے گا وہی آپ کا جنت میں رفیق ہو گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں آئے اور قصاب سے ملاقات کی، قصاب نے آپ کو مہمان بنایا اور اپنے گھر لے گئے۔

جب کھانا کھانے لگے تو یہ قصاب ایک لقمہ خود کھاتا اور دو لقمے قریب ہی پڑی زنبیل میں ڈال دیتا (آخر تک یہ معاملہ چلتا رہا)

کھانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس زنبیل میں دیکھا تو اس

---

(۱) الدر المنثور: ۶/۲۵۷، الاسراء: ۲۴

میں ایک بوڑھے مرد اور ایک بوڑھی عورت کو اس حال میں پایا کہ دونوں بڑھاپے کی وجہ سے اتنے کم زور ہو چکے تھے جیسے چڑیا کا بچہ جس کے ابھی تک پر نہ نکلے ہوں۔

قصاب نے کہا: ”یہ دونوں میرے ماں باپ ہیں، بہت زیادہ عمر کے ہیں اور بہت زیادہ کم زور ہونے کی وجہ سے میں ان کو زنبیل میں لیے پھرتا ہوں، کیوں کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ان کو تکلیف نہ ہو (اور میں ان کا اس درجے تک خیال کرتا ہوں کہ ان کی آرام و راحت کو اپنی ہر چیز پر مقدم رکھتا ہوں) اور میں کبھی بھی ان کو کھلائے پلائے بغیر خود کھاتا پیتا نہیں ہوں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس آدمی سے کہا: ”میں نے تمہارے ماں باپ کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے تھے۔“

اس نے کہا: ”کھانا کھا لینے کے بعد یہ دعا کرتے ہیں۔ ”اے اللہ! اس کو جنت میں موسیٰ علیہ السلام کا ہم نشین بنائیو اور اے اللہ! ہمیں اس وقت تک موت نہ دے جب تک تیرے کلیم (علیہ السلام) کی زیارت نہ کر پائیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اے جوان! تجھے خوش خبری ہو کہ تیرے والدین کی دعا تیرے حق میں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔“[1]

فائدہ: اس واقعے سے ہمیں دو سبق حاصل ہوئے۔

① اللہ تعالیٰ کے یہاں والدین کا بہت بڑا مقام ہے، ان کی خدمت کرنے سے آدمی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، لہٰذا ان کا وجود ہمارے لیے غنیمت ہے اگر وہ کم زوری کی انتہا کو پہنچ جائیں تو ہمیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت اور زیادہ کرنی چاہیے۔

② اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ماں باپ ہمارے لیے دعا کریں تو دل سے ہم ان کی خدمت کریں یقیناً وہ خود دعا کرنے میں خوشی محسوس کریں گے، کیوں کہ عمل میں جس قدر اخلاص ہو گا اتنا ہی جلد اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ مقبول ہو گا۔

---

(۱) نزهة المجالس: ۱/۴۰۳، الزهر الفاتح لابن الجزري، إياك و عقوق الوالدين: ۱/۷

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی صفت ہے۔
حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، آپ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے بارے میں عاجزانہ درخواست کی:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَہَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَ اشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّ لَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ﴿۴﴾ وَ اِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ وَ کَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا فَہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیۡ وَ یَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ٭ۖ وَ اجۡعَلۡہُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾ یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِۣ اسۡمُہٗ یَحۡیٰی ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّا ﴿۷﴾﴾ (۱)

ترجمہ: "انہوں نے کہا تھا کہ: میرے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اُٹھا ہے اور میرے پروردگار! میں آپ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔ اور مجھے اپنے بعد اپنے چچازاد بھائیوں کا اندیشہ لگا ہوا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، لہٰذا آپ اپنے پاس سے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر دیجیے جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب (علیہ السلام) کی میراث بھی پائے۔ اور یارب! اُسے ایسا بنائیے جو (خود آپ کا) پسندیدہ ہو۔ (آواز آئی کہ:) اے زکریا! ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ اس سے پہلے ہم نے اس کے نام کا کوئی اور شخص پیدا نہیں کیا۔"

---

(۱) مریم: ۴ تا ۷

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے اس فرزند کی خصوصی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝﴾ (۱)

ترجمہ: ”اور اپنے والدین کے خدمت گزار، نہ وہ سرکش تھے، نہ نافرمان۔“

حضرت یحییٰ علیہ السلام ماں باپ کے فرماں بردار اطاعت گزار اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے تھے، کبھی کسی بات میں ماں باپ کی مخالفت نہیں کی، کبھی ان کے فرمان سے باہر نہیں ہوئے، کبھی ان کے روکنے کے بعد کسی کام کو نہیں کیا، کوئی سرکشی یا کوئی نافرمانی کی عادت بھی آپ میں نہ تھی، ان ہی اچھی، قابل تعریف خوبیوں کے بدلے آپ کو اللہ کی طرف سے تین حالتوں میں امن و امان اور سلامتی کا پروانہ ملا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝﴾ (۲)

ترجمہ: ”اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلام ہے ان پر اُس دن بھی جس روز پیدا ہوئے، اُس دن بھی جس روز انہیں موت آئے گی اور اُس دن بھی جس روز انہیں زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔“

یعنی پیدائش والے دن، موت والے دن، اور حشر والے دن، یہی تینوں جگہیں گھبراہٹ کی ہوتی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

① جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو نئی دنیا دیکھتا ہے جو ماں کے پیٹ والی دنیا سے بڑی اور بالکل مختلف ہوتی ہے۔

---

(۱) مریم: ۱۴

(۲) مریم: ۱۵

② موت والے دن ایسی مخلوق سے واسطہ پڑتا ہے جس سے نہ کبھی زندگی میں واسطہ پڑا تھا اور نہ انہیں دیکھا تھا۔

③ محشر والے دن کی حالت ان دونوں حالتوں سے زیادہ خطرناک ہے ایک بڑے مجمع میں اپنے آپ کو پاکر حیرت زدہ ہو جاتا ہے جو بالکل ایک نئی چیز ہے، پس ان تینوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کی برکت سے سلامتی ملی۔ (۱)

فائدہ: حضرت یحییٰ علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک نہ صرف احکام خداوندی سے ثابت ہے، بلکہ انبیا کرام علیہم السلام نے عملاً والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک حسین نمونہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی توفیق عطا فرمائے۔

والدین کی خدمت کو غنیمت جانیے

روئے زمین پر والدین سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے...... خوش نصیب ہے وہ اولاد جو والدین کی خدمت کو بوجھ محسوس نہیں کرتی...... بلکہ اُن کے وجود کو دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی کا ذریعہ سمجھتی ہے...... والدین کی فرماں برداری کو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کے حصول کا سبب اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کا باعث سمجھتی ہے۔

ایسی اولاد یقیناً والدین کی خدمت و فرماں برداری میں اپنا وقت گزارتی ہے اور ہر وقت اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ سے جنت مانگ لے۔

لیکن جو اولاد والدین کی زندگی اور ان کے وجود کو اللہ کی عظیم نعمت نہیں سمجھتی ایسی اولاد کے لیے دنیا و آخرت میں نقصان ہی نقصان ہیں۔ یہ یاد رکھیں کہ والدین کی

(۱) ابن کثیر: ۵/۱۹۲، مریم: ۱۴، ۱۵

نعمت ہمیں دنیا میں صرف ایک مرتبہ ملی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی قدر کریں۔

اس کی قدر یہ ہے کہ ہم دل و جان سے ان کی خدمت کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہیں، ان کے ہمارے اوپر جو احسانات ہیں ان عظیم احسانات کے پیشِ نظر ہم کسی وقت بھی ان کی خدمت واطاعت سے غفلت نہ برتیں۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں والدین کی خدمت بجالانے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے ہم پر جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی میں ہر قسم کی کوتاہی سے بچائے، اگر بالفرض کوئی کوتاہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے معاف فرمائے۔

تاکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "والدین تمہاری جنت ہیں یا تمہاری دوزخ"[1] کے تحت ان کی خدمت، اطاعت اور ان کی فرماں برداری کر کے اس جنت کے مستحق بن جائیں جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس جنت میں ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔[2]

والدین کی اطاعت بڑے درجات کے لیے ضروری ہے

ہم والدین کی خدمت کے ساتھ ان کی اطاعت و فرماں برداری بھی کرتے رہیں اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو بھی حکم دیں اس کو پورا کیا جائے ان کا ہر حکم مانا جائے بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

اور چوں کہ والدین کی فرماں برداری کرنا حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا ہے اور ان کی نافرمانی کرنا حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے تو اس وجہ سے والدین کی فرماں برداری کو ضروری قرار دیا گیا۔

---

(۱) سنن ابن ماجه، الادب، باب بر الوالدين، الرقم: ٣٦٦٢

(۲) صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة، الرقم: ٣٢٤٤

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"طَاعَةُ اللّٰهِ طَاعَةُ الْوَالِدِ وَمَعْصِيَةُ اللّٰهِ مَعْصِيَةُ الْوَالِدِ" (۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری والد کی فرماں برداری میں ہے اور اللہ کی نافرمانی والد کی نافرمانی میں ہے۔"

مولانا منظور نعمانی صاحب فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں "والد" کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے کہ ماں کے لیے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے، اس بناء پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحۃً نہیں آیا ہے لیکن چوں کہ دوسری احادیث میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے، اس لیے ماں کی فرماں برداری کی بھی وہی اہمیت ہوگی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی فرماں برداری کا بتایا گیا ہے۔" (۲)

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبُوكَ." (۳)

ترجمہ: "تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں پھر تمہارا باپ۔"

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ قضاعہ کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کلمۂ شہادت کی گواہی دیتا ہوں، پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں رمضان کے روزے رکھتا ہوں (میرے لیے اجر و ثواب کتنا ہے؟)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) مجمع الزوائد، البر والصلة، ماجاء في البر وحق الوالدين: ۴۳۵/۳

(۲) معارف الحدیث، کتاب المعاملات والمعاشرت: ۲۸۲/۶

(۳) صحيح مسلم، باب بر الوالدين، الرقم: ۲۰۴۸

"مَنْ مَاتَ عَلٰي هٰذَا كَانَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هٰكَذَا وَنَصَبَ إِصْبَعَيْهِ مَالَمْ يَعُقَّ وَالِدَيْهِ"[1]

ترجمہ: "جس کا انتقال (ان واجبات کی ادائیگی) کے ساتھ ہو، وہ قیامت کے دن انبیا، صدیقین اور شہداء کے ساتھ اس طرح ہو گا اور (بات کو سمجھانے کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا، جب تک کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان نہ ہو۔"

فائدہ: اس حدیث سے اندازہ کریں کہ والدین کا مقام کس قدر عظیم ہے کہ ان کی تابع داری پر اللہ تعالیٰ جنت میں ان لوگوں کی رفاقت عطا فرماتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہوا ہے یعنی انبیا، صدیقین اور شہداء۔

اطاعت والدین کی تاکید

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بات کی وصیت فرمائی:

"اَطِعْ وَالِدَيْكَ وَ إِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ دُنْيَاكَ فَاخْرُجْ"[2]

ترجمہ: "اپنے والدین کی اطاعت کرو! اگر وہ تمہیں اس بات کا بھی حکم دیں کہ اپنے گھر، مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر نکل جاؤ تو نکل جاؤ۔"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَعْصِ وَالِدَيْكَ فَإِنْ سَأَلَاكَ أَنْ تَنْخَلِعَ لَهُمَا مِنْ دُنْيَاكَ فَانْخَلِعْ لَهُمَا مِنْهَا."[3]

---

(۱) مجمع الزوائد، باب ماجاء في العقوق: ۸/۱۸۸، الرقم: ۱۳۴۲۹

(۲) البر والصلة: ۴۷

(۳) مصنف عبدالرزاق، كتاب الصدقة، باب ما ينال الرجل ......: ۹/۱۳۱، الرقم: ۱۶۶۳۶

ترجمہ: ”اپنے والدین کی نافرمانی مت کرنا، اگرچہ وہ تمہیں اس بات کا حکم دیں کہ ان کے لیے ساری دنیا چھوڑ دو تو ان کے لیے چھوڑ دو۔“

فائدہ: آپ نے مندرجہ بالا احادیث سے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اطاعت والدین کی کس قدر تاکید فرمائی اور ان کی نافرمانی سے تاکید کے ساتھ روکا ہے۔

اس لیے یہ بات یاد رکھیں کہ والدین کی اطاعت و فرماں برداری اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اگر ہم نے والدین کی اطاعت و فرماں برداری کی تو اللہ تعالیٰ کے ہم محبوب بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر جگہ عزت اور کام یابی دیں گے۔

اطاعت والدین کا نقد بدلہ

آج اگر آپ نے ماں باپ کی قدر و منزلت کو پہچانا، ان کے وجود کو اپنے لیے سعادتِ عظمیٰ سمجھ کر ان کی اطاعت و فرماں برداری کے ذریعے ان کو آرام و راحت پہنچائی تو یقیناً اللہ جل شانہ آپ کی اولاد کو آپ کے لیے خدمت و اطاعت کی طرف متوجہ فرمائے گا۔

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے غیر مسلم ہونے کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے تھے اور ان کی بد اعمالیوں اور سختیوں کے باوجود ان کا ادب و احترام کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اولاد ایسی عطا فرمائی جن کی فرماں برداری کی مثال رہتی دنیا تک نہیں مل سکتی، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کا اپنے والد کے ساتھ اطاعت گزاری و فرماں برداری اور ادب و احترام کا کردار ہمارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کو ملنے کے لیے ملک شام سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے آٹھ (۸) ذوالحجہ کی رات کو خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہا ہوں۔

آپ صبح اٹھے، سوچنے لگے کہ شاید قربانی مطلوب ہے تو ستر اونٹ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان کر دیئے، لیکن اگلی رات کو پھر وہی خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر رہا ہوں۔

جب تیسری بار بھی یہی خواب دیکھا تو واضح طور پر سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے بیٹے کی ہی قربانی مطلوب ہے، آپ علیہ السلام نے پکا ارادہ کر لیا کہ اب مجھے اپنے سات سالہ بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہے۔

جب صبح ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کو پیار کیا اور کہا:

''بیٹا! میرے ساتھ چلو۔'' بیوی نے پوچھا: ''کہاں؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''کسی بڑے سے ملاقات کرنی ہے......'' نام نہ بتایا، کیوں کہ وہ بالآخر ماں ہے، ممکن ہے کہ قربانی کا نام سن کر اس کا دل پسیج جائے، اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں اور صبر و ضبط میں کچھ فرق پڑ جائے۔ موٹی سی بات کر دی کہ کسی بڑے کی ملاقات کے لیے جانا ہے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہلا دیا، سر پر تیل بھی لگایا اور کنگھی بھی کر دی، لیکن ان کو معلوم نہیں تھا کہ آج میرا بیٹا کس آزمائش کے لیے جا رہا ہے؟

البتہ روانہ ہوتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے فرمایا:

''بیٹا! ایک رسی اور چھری بھی لے لو۔'' حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:

''ابا جان! رسی اور چھری کس لیے لینی ہے؟''

فرمایا: ''بیٹا! جب بڑے سے ملاقات ہوتی ہے تو پھر قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔'' بیٹا سمجھا کہ شاید کسی جانور کو قربان کریں گے، یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر کو قربان کرنے کے لیے گھر سے لے کر چل پڑے۔

شیطان کی ناکام کوشش

جب وہ اپنے گھر سے چلے گئے تو پیچھے شیطان ملعون حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''تجھے پتہ بھی ہے کہ آج تیرے بیٹے کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟'' انہوں نے پوچھا: ''کیا؟''

وہ کہنے لگا: ''تیرا خاوند تیرے بیٹے کو ذبح کر دے گا۔'' انہوں نے کہا: ''بوڑھے! تیری عقل چلی گئی، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟''

شیطان لعین کہنے لگا: ''ہاں! ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے۔''

جب اس نے یہ کہا کہ ہاں ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں: ''اگر اللہ کا حکم ہوا ہے تو میرے بیٹے کو قربان ہونے دو، کیوں کہ اگر میرے بارے میں بھی اللہ کا حکم ہوتا تو میں بھی اس کے راستے میں قربان ہونے کے لیے تیار ہو جاتی۔''

جب شیطان کا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے کوئی بس نہ چلا تو وہ راستے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے پوچھا:

''سناؤ! تم کہاں جا رہے ہو؟''

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''کسی بڑے کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔''

وہ کہنے لگا: ''ہرگز نہیں! تجھے ذبح کر دیا جائے گا۔''

انہوں نے کہا: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے، کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟''

کہنے لگا: ''ہاں! اللہ کا حکم ہے۔'' حضرت اسماعیل علیہ السلام کہنے لگے:

''اگر اللہ کا حکم ہے تو میں حاضر ہوں۔'' شیطان پھر ناکام ہوا۔

اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھے تو شیطان آکر راستے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ''میں نہیں جانے دیتا۔'' اس وقت انہوں نے سات

کنکریاں اٹھا کر شیطان کو ماریں اور اللہ تعالیٰ نے وہاں سے شیطان کو بھگا دیا۔ جہاں اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کنکریاں ماریں اس جگہ کا نام جمرۂ اولیٰ پڑ گیا۔

پھر دوسری جگہ پر جا کر راستہ روکا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی اس کو کنکریاں ماریں، شیطان پھر بھاگ گیا اس جگہ کا نام جمرۂ وسطیٰ پڑ گیا، پھر تیسری جگہ بھی اس کو کنکریاں لگیں اور اس جگہ کا نام جمرۂ عقبہ پڑ گیا۔

حکم الٰہی کی تعمیل کا وقت آ پہنچا

جمرۂ عقبہ سے آگے بڑھے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: ”ابا جان! آپ نے فرمایا تھا کہ بڑے کی ملاقات کے لیے جانا ہے، بتائیے کہ اس بڑے کی ملاقات کب ہوگی؟“

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ساری بات بتائی:

﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ط﴾ (۱)

ترجمہ: ”بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے۔“

بیٹا بھی انبیا کے گھر کا چشم و چراغ تھا اور بعد میں منصبِ رسالت پر فائز ہونے والا تھا، اس لیے کم عمر ہونے کے باوجود سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے نہایت ہی ادب سے عرض کرنے لگا:

﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲﴾ (۲)

ترجمہ: ”بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا

---

(۱) الصفت: ۱۰۲

(۲) الصفت: ۱۰۲

ہے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

سبحان اللہ! جب والد کے دل میں محبتِ الٰہی کا جذبہ جوش مارتا ہے تو پھر گھر کے دوسرے افراد کے اندر بھی اس کے نمونے نظر آتے ہیں...... جب بیٹے نے یہ جواب دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے: "ابا جان! میں آپ سے چار باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "میرے بیٹے! بتاؤ کہ تم اس وقت مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عرض کیا:

① "ابا جان! پہلی بات تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ چھری کو اچھی طرح تیز کر لیجیے، ایسا نہ ہو کہ چھری کند ہو اور مجھے ذبح کرنے میں زیادہ وقت لگ جائے۔ میں نے جب اللہ کے نام پر ہی جان دینی ہے تو چاہیے کہ چھری تیز ہو، تاکہ میری جان جلدی نکلے اور میں جلدی اللہ سے مل جاؤں۔"

یہ بات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری اور بھی تیز کر لی اور پوچھا: "بیٹا! دوسری بات کون سی ہے؟"

بیٹے نے عرض کیا:

② "ابا جان! میں چھوٹا ہوں، آپ مجھے رسی سے باندھ دیجیے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو رسی سے باندھ دیا اور پوچھا: "بیٹا! تیسری بات کون سی ہے؟"

بیٹے نے عرض کیا:

③ "ابا جان! آپ مجھے ذبح کریں گے تو آپ میرا چہرہ اوپر آسمان کی طرف نہ کرنا، کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے سجدے کی حالت میں موت آئے، ویسے بھی جب آپ کی طرف میری پیٹھ ہو گی تو آپ کے دل میں محبتِ پدری بھی جوش نہیں مارے گی۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”بیٹا! میں یہ بھی کر دوں گا۔ چوتھی بات کیا ہے؟“

عرض کیا:

④ ”ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کر چکیں تو آپ میرے کپڑے میری والدہ کو دکھا دینا اور ان سے کہنا کہ آپ کا بیٹا اللہ کے نام پر کامیاب ہو گیا ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اوندھے منہ لٹا کر ان کے گلے پر چھری رکھ دی، اب وہ ان کو ذبح کرنا چاہتے ہیں، مگر چھری ان کو ذبح نہیں کرتی۔ اللہ رب العزت نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا:

”اے جبرائیل! جاؤ اور چھری کو تھام لو۔“

جبرائیل علیہ السلام آکر چھری کو تھام لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا زور لگا رہے ہیں لیکن چھری کام کر کے نہیں دے رہی۔

اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے کو محفوظ بھی فرما لیا اور فرمایا:

﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾﴾ (۱)

ترجمہ: ”اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اس بچے کو بچا لیا۔“

یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطورِ یادگار کے ہمیشہ ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج تک ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے۔ (۲)

فائدہ: حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب یہ سنا کہ ان کے والد ماجد کو بارگاہِ الٰہی سے بیٹے کی قربانی کا ارشاد ہے تو غور و فکر میں نہیں پڑے، بلکہ اسی طرح تیاری میں مشغول ہو گئے جیسے اپنی پسندیدہ جگہ پر جا رہے ہوں، پھر چھری چلانے سے پہلے

---

(۱) الصفت: ۱۰۷

(۲) قصص القران: ۱/ ۱۶۵، خطبات فقیر: ۱/ ۳۷

چھری تیز کروانا، اپنے ہاتھ پاؤں بندھوانا اور اپنے والد سے عرض کرنا کہ میرا چہرہ زمین کی طرف کر لیجیے کہیں باپ کی شفقت جوش میں نہ آجائے، یہ ایسی باتیں ہیں جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دلی فرماں برداری اور والد کی رضاجوئی صاف واضح ہو جاتی ہے۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملا کہ جو اپنے والدین کے ہر حکم کو بغیر کچھ کہے مان لے اس میں اپنی مرضی کو شامل نہ کرے وہ والدین کی آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے والدین کی سچی فرماں برداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مشکل گھڑی میں بھی والدہ کی اطاعت کرنا

یزید بن معاویہ کی موت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی اور پورا حجاز، مصر، عراق، خراسان اور شام کا بیشتر علاقہ ان کے ماتحت آگیا۔ اس کے فوراً ہی بعد بنو امیہ نے حجاج بن یوسف کی قیادت میں ایک لشکر ان کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا اور فریقین کے درمیان کئی زبردست مقابلے ہوئے۔

ان لڑائیوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بہت زیادہ شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا، جو ان جیسے بہادروں کے شایانِ شان تھا، لیکن دھیرے دھیرے ان کے بہت سے حامی ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوتے گئے۔ آخر کار وہ اور ان کے تھوڑے سے ساتھی بیت اللہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی شہادت سے صرف چند گھنٹے پہلے اپنی والدہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا...... جو اس وقت کافی بوڑھی اور نابینا ہو چکی تھیں، ان کی خدمت میں حاضر

ہو کر سلام کیا:

''اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّهْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ''

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

''وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا عَبْدَاللّٰهِ ...... مَا الَّذِيْ أَقْدَمَكَ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ، وَالصُّخُوْرُ الَّتِيْ تَقْذِفُهَا مِنْجَنِيْقَاتُ الْحَجَّاجِ عَلٰي جُنُوْدِكَ فِي الْحَرَمِ تَهُزُّ دُوْرَ مَكَّةَ هَزًّا؟''

ترجمہ: ''عبداللہ! اس وقت؟ جب کہ حجاج کی توپوں سے تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر حرم میں پتھر برسائے جارہے ہیں اور اس کی وجہ سے مکہ کے در و دیوار لرز رہے ہیں، تم کس ضرورت سے آئے ہو؟''

انہوں نے جواب دیا: ''امی جان! میں اس وقت آپ سے کچھ مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تعجب سے پوچھا: ''مجھ سے مشورہ لینے آئے ہو!! کس معاملے میں؟''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: ''زیادہ تر لوگوں نے میری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور وہ حجاج کے خوف یا اس سے مالی فوائد کی امید پر میرا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے ہیں، یہاں تک کہ میرے لڑکے اور گھر والے بھی مجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں، اب میرے ساتھ صرف تھوڑے سے آدمی بچ گئے ہیں اور ان کا بھی حال یہ ہے کہ جب ان کی قوتِ برداشت جواب دے جائے گی تو وہ بھی گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹک سکیں گے اور ادھر بنو امیہ کے قاصد برابر میرے سامنے یہ پیش کش کر رہے ہیں کہ اگر میں ہتھیار ڈال دوں اور عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لوں تو وہ میرا ہر دنیاوی مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہیں۔'' پھر انہوں نے کہا: ''امی جان! آپ کی کیا رائے ہے؟''

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بلند آواز سے فرمایا:

"اَلشَّأْنُ شَأْنُكَ يَا عَبْدَاللهِ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِنَفْسِكَ......
فَإِنْ كُنْتَ تَعْتَقِدُ أَنَّكَ عَلٰي حَقٍّ وَتَدْعُوْ إِلَي حَقٍّ، فَاصْبِرْ وَجَالِدْ كَمَا صَبَرَ أَصْحَابُكَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا تَحْتَ رَايَتِكَ......
وَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا أَرَدْتَ الدُّنْيَا فَلَبِئْسَ الْعَبْدُ أَنْتَ: أَهْلَكْتَ نَفْسَكَ، وَأَهْلَكْتَ رِجَالَكَ."

ترجمہ: "عبداللہ! یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے اور تم خود اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہو۔ اگر تمہیں اپنے مقصد کی حقانیت اور صداقت کا یقین ہے اور تم حق کی طرف دعوت دے رہے ہو تو اپنے مقصد پر ڈٹے رہو اور اپنے ان ساتھیوں کی طرح صبر و استقلال سے کام لو جنہوں نے تمہارے جھنڈے کے نیچے لڑتے ہوئے اپنی جانیں دے دی ہیں اور اگر تم نے اس کے ذریعے دنیا حاصل کرنا چاہی تھی تو تم ایک بہت برے آدمی ہو کہ خود کو بھی ہلاک کیا اور اپنے آدمیوں کو بھی۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"وَلٰكِنِّيْ مَقْتُوْلُ الْيَوْمَ لَا مَحَالَةَ"

ترجمہ: "لیکن اس صورت میں، میں آج لازماً قتل کر دیا جاؤں گا۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "یہ تمہارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے آپ کو حجاج کے حوالے کر دو اور بنو امیہ کے لڑکے تمہارے سر سے کھیلیں۔"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: "میں قتل ہونے سے نہیں ڈرتا، بلکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ میری لاش کا حلیہ بگاڑیں گے۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "قتل ہو جانے کے بعد بھلا کس چیز کا ڈر باقی رہ جاتا ہے، بکری جب ذبح ہو جاتی ہے تو اس کے گوشت کو سیخوں میں لگا کر آگ پر رکھا جائے تو اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔"

یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیشانی خوشی سے چمک اٹھی اور انہوں نے کہا:

"بُوْرِكْتِ مِنْ أُمّ، وَبُوْرِكَتْ مَنَاقِبُكِ الْجَلِيْلَةُ، فَأَنَا مَا جِئْتُ إِلَيْكِ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ إِلاَّ لِأَسْمَعَ مِنْكِ مَا سَمِعْتُ"

ترجمہ: "امی جان! کتنی عظیم ہیں آپ اور آپ کی سیرت میں اس وقت آپ کے پاس یہ ہی (حوصلہ افزا) باتیں سننے کے لیے حاضر ہوا تھا۔"

اللہ کی قسم! نہ میرے حوصلے پست ہوئے ہیں، نہ میرے اندر کسی قسم کی کم زوری پیدا ہوئی ہے اور نہ میں بزدل ہوں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں جس کام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اس کا مقصد دنیا اور اس کے عیش و آرام کی طلب نہیں ہے، بلکہ میرے پیش نظر اس بات پر اللہ کے لیے اپنے غم و غصے کا اظہار ہے کہ اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا گیا ہے۔ یہ لیجیے کہ میں آپ کی پسندیدہ راہ کی طرف جا رہا ہوں۔

"فَإِذَا أَنَا قُتِلْتُ فَلاَ تَحْزَنِيْ عَلَيَّ وَسَلِّمِيْ أَمْرَكِ لِلّٰهِ......"

ترجمہ: "جب میں قتل کر دیا جاؤں تو غم نہ کیجیے اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیجیے۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "مجھے تمہارے اوپر غم اس وقت ہوتا جب تم باطل کی راہ میں قتل کیے جاتے۔"

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"امی جان! آپ مطمئن رہیں کہ آپ کے بیٹے نے نہ تو کبھی ایسے کام کا ارادہ کیا جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، نہ کبھی بے حیائی کا کام کیا، نہ اللہ کے حکم سے تجاوز کیا، نہ کسی کو امان دے کر اس سے غداری کی، نہ کسی مسلمان یا ذمی پر جان بوجھ کر کوئی ظلم کیا اور نہ کوئی چیز اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خوش نودی سے زیادہ بڑی ہے۔ یہ باتیں میں نے اپنی پاکیزگی اور طہارت کے اظہار کے طور پر نہیں کہی ہیں،

کیوں کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں مجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ میں نے یہ باتیں صرف آپ کے دل کی تسلی اور اطمینان دلانے کے لیے کہی ہیں۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَكَ عَلٰي مَا يُحِبُّ وَأُحِبُّ......"

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تم کو اپنے اور میرے پسندیدہ راستے پر چلنے کی ہدایت دی۔"

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کہتے ہوئے حرم کی طرف روانہ ہو گئے۔

"لَا تَفْتَرِيْ عَنِ الدُّعَاءِ لِيْ يَا اُمَّهْ."

ترجمہ: "امی! میرے لیے دعا میں کمی نہ کیجیے گا۔"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا دیا:

"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ طُوْلَ قِيَامِهٖ وَشِدَّةَ نَحِيْبِهٖ فِيْ سَوَادِ اللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ......

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ جُوْعَهٗ وَظَمَأَهٗ فِيْ هَوَاجِرِ الْمَدِيْنَةِ وَمَكَّةَ وَهُوَ صَائِمٌ......

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ بِرَّهٗ بِأَبِيْهِ وَأُمِّهٖ......

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ قَدْ سَلَّمْتُهٗ لِأَمْرِكَ، وَرَضِيْتُ بِمَا قَضَيْتَ لَهٗ، فَأَثِبْنِيْ عَلَيْهِ ثَوَابَ الصَّابِرِيْنَ."

ترجمہ: "اے اللہ! رات کی تاریکیوں میں جب لوگ میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں اُس وقت کے اس کے لمبے قیام، اس کے رونے اور اس کی آہ وزاری والی عبادت کو قبول فرمانا۔

اے اللہ! مکہ و مدینہ کی سخت گرمیوں کے روزوں میں اس کے

بھوکے، پیاسے رہنے کو قبول فرمالے۔

اے اللہ! اس پر اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے رحم کرنا۔ اے اللہ! میں اپنے بیٹے کو آپ کے سپرد کرتی ہوں اور جو آپ نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا ہے میں اس پر دل وجان سے راضی ہوں۔ اس پر مجھ کو صابرین کا اجر عطا فرمانا۔"

بہرحال اس روز کے سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے رب کے سایۂ رحمت میں پہنچ چکے تھے یعنی شہید ہو چکے تھے اور ان کی شہادت پر دس سے کچھ ہی زیادہ دن گزرے تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی انتقال کر گئیں۔[1] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اس مثالی واقعہ سے مثالی اولاد کو یہ سبق ملتا ہے کہ:

① مشکل اور کٹھن حالات میں بھی اپنے والدین سے مشورہ کرتے رہنا چاہیے کیوں کہ بعض اوقات اُن کی پر خلوص اور حوصلہ مند گفتگو انسان کو وہ ہمت و لگن دیتی ہے جس سے وہ مشکل سے مشکل گھڑی میں بھی ثابت قدم رہتا ہے اور مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

② والدین سے خصوصاً والدہ سے دعاؤں کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔

والدین کا حکم ملنے پر ٹال مٹول نہیں کرنی چاہیے

بعض اوقات ہم کسی دینی یا دنیوی کام میں لگے ہوتے ہیں اس دوران ہمارے والدین کسی کام کا کہہ دیتے ہیں تو اس وقت ان کی بات ماننا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے والدین کی کہی ہوئی بات پر عمل کرنا شروع کرتا ہے تو ارادہ کرتے ہی وہ مشکل پھر مشکل محسوس نہیں ہوتی اور والدین کی بات پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

---

(۱) صور من حياة الصحابة، اسماء بنت أبي بكر: ٤٦٣ تا ٤٧٠

جیسا کہ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے۔

"وَكَانَ حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ يَقْعُدُ لِلنَّاسِ، فَتَقُوْلُ لَهُ أُمُّهُ: قُمْ يَا حَيْوَةُ! اَلْقِ الشَّعِيْرَ لِلدَّجَاجِ، فَيَقُوْمُ." (۱)

ترجمہ: "حیوہ بن شریح لوگوں کے (فیصلوں کے لیے) بیٹھے ہوتے تھے، آپ کی والدہ آکر کہتیں: حیوہ! مرغی کو جَو ڈال دے، آپ (والدہ کی بات سنتے ہی لوگوں کے درمیان سے) اٹھ کھڑے ہوتے (اور مرغیوں کو جو ڈال دیتے پھر لوگوں کے پاس آکر ان کے فیصلے کرتے)۔"

فائدہ: قاضی بننا اور لوگوں کے فیصلے کرنا یہ بہت بڑا درجہ ہے، یہ درجہ حیوہ بن شریح کو جن اسباب کی بنا پر ملا ان میں سے ایک اہم سبب والدہ محترمہ کی اطاعت تھی وہ کتنے ہی اہم اور بڑے کام میں مشغول ہوتے والدہ کا حکم پانے کے بعد وہ کام چھوڑ کر فوراً والدہ کی اطاعت میں لگ جاتے، یوں نہ فرماتے کہ امی بعد میں کرلوں گا یا امی یہ کام پہلے پورا کرلوں پھر کرلوں گا۔

نہیں! بلکہ والدہ کا حکم ملا اور فوراً ہی حکم پر عمل کرنے کے لیے اپنے سب کام چھوڑ دیئے۔

اطاعتِ والدین کام یابی کا زینہ ہے

ایک دولت مند آدمی تھا، اس کے تین بیٹے تھے، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا: میرا اس دنیا سے جانے کا وقت آچکا ہے، میں تم سب کو ایک نصیحت کرتا ہوں اور کہنے لگا: "اے میرے بچوں! تم سب میرے بعد علم حاصل کرنے میں لگے رہنا، ادب، استقامت اور بردباری کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑنا، اور میرے مال کو اپنے درمیان تقسیم کرلینا اور میانہ روی سے زندگی گزارنا۔"

(۱) نفحة العرب: ۲۳۲

اس کے بعد اس آدمی کی روح نکل گئی۔ باپ کے مرنے کے بعد بڑے دو بیٹوں کی نیت بدل گئی اور انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ چھوٹے بھائی کو کچھ نہیں دیں گے اور سارا مال خود ہضم کرلیں گے۔

بے چارے چھوٹے بھائی نے اس معاملے میں صبر سے کام لیا اور اپنے والد کی نصیحت پر عمل پیرا رہا، اس لیے کہ مال فانی چیز ہے اور علم ہمیشہ زندہ رہنے والی چیز ہے، اس بات کو سوچتے ہوئے اس نے علما سے تعلق قائم رکھا، محنت کو جاری رکھا اور راہِ ہدایت پر چلتا رہا، یہاں تک کہ اپنے مقصد کو پہنچ گیا اور اس کے دوسرے بھائیوں کو مال کی محبت نے مصیبتوں اور مشکلات میں ڈال دیا، شیطان نے ان کو اپنے جال میں پھنسا لیا اور ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد کردی۔

جب دونوں بھائیوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی سعادت اور کام یابی کو دیکھا تو بہت شرمندہ ہوئے اور ان کو اپنے ظلم کا احساس ہونے لگا اور دونوں نے اپنے چھوٹے بھائی سے معافی مانگی، چھوٹے بھائی نے بھی سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دونوں بھائیوں کو معاف کردیا۔[1]

فائدہ: دیکھا آپ نے، علم کی اہمیت اور والدین کی اطاعت کیسی چیز ہے، کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ مل جانا اسی علم و حلم اور نیک خصلتوں کا نتیجہ ہے، ہمیں یہ خصلتیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، دنیا اور دنیا کے مال و اسباب کے خاطر علم کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

والدین ہمارے خیر خواہ ہیں

ہمیں یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہمارے والدین ہمارے خیر خواہ ہیں یعنی وہ جس بات سے ہمیں روکتے یا منع کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ہمیں روکنے یا منع کرنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل ہوگا، بلکہ کسی بات یا کام سے روکنے

(۱) السمیر المھذب: ۷ تا ۸

اور منع کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کام میں سراسر ہمارا ہی نقصان ہوتا ہے جب کہ ہمارے والدین ہمارے کسی قسم کے نقصان یا ہماری کسی پریشانی کو برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے وہ ہمیں روکتے ہیں۔

اسی طرح اگر والدین کسی کام کے کرنے کا کہہ رہے ہیں تو ہماری پوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم وہ کام ضرور کریں، اگرچہ وہ کام ہمیں پسند نہ ہو یا ہمیں مشکل لگتا ہو، والدین نے ہمیں جس کام کا حکم دیا ہے تو ضرور اس میں کوئی بھلائی اور خیر ہوگی جس کی طرف ہماری توجہ اور نظر نہیں جا رہی۔

کیوں کہ والدین کے مقابلے میں ہماری عمر بھی کم ہے...... تجربہ بھی نہیں ہے...... دماغ اور سوچنے...... سمجھنے کی صلاحیت بھی محدود...... اور اچھے برے کی صحیح طرح پہچان بھی نہیں ہے۔ تو جو بات والدین سوچ اور سمجھ سکتے ہیں ہم وہ ہرگز نہیں سوچ سکتے۔

مثلاً: ہمارے والدین اگر ہمیں یہ کہتے ہیں کہ رات دیر تک فضول مت جاگو اور صبح دیر تک نہ سوتے رہو تو اگرچہ ہماری طبیعت تو یہی چاہتی ہے، لیکن ہم خود سوچیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک چیز ہمارے لیے کتنی نقصان دہ ہے۔ اسی طرح بعض بچے پڑھائی میں دل چسپی نہیں لیتے اور والدین کے اصرار کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں کہ والدین ہر وقت ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ پڑھو، پڑھو۔

اب ہم دیکھ لیں کہ جو بچے اپنے والدین کی اس بات پر عمل نہیں کرتے، ان کا انجام کیا ہوتا ہے کہ امتحانات میں ناکام ہو جاتے ہیں اور گھر والوں اور اپنے ساتھیوں کے سامنے پریشان ہوتے ہیں، اگر یہ بچے اپنے والدین کی بات مان کر پڑھ لیتے تو کامیاب ہو جاتے اور اس پریشانی سے بچ جاتے۔

اسی طرح والدین مختلف قسم کے فضول کھیلوں سے بھی منع کرتے ہیں یا بعض بے کار جگہوں پر جانے سے روکتے ہیں یا برے، اور گندے بچوں سے ملنے سے روکتے ہیں تو ان ساری چیزوں میں (جن سے ہمیں روکا جا رہا ہے اگر ہم غور کریں تو)

ہمارا ہی نقصان ہے۔

اب اگر ہم والدین کی بات مانتے ہوئے اس سوچ کے ساتھ کہ والدین کی ہر بات میں ہمارا فائدہ ہے، ان کاموں سے رک جائیں تو والدین بھی خوش ہوں گے اور ہم بھی بہت ساری برائیوں اور پریشانیوں سے بچ جائیں گے اور والدین کی بات ماننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں گے۔ (۱)

والدین اگر مشکل مطالبہ کریں تو

کبھی والدین اولاد کی قوتِ برداشت کا خیال کیے بغیر ان سے ایسے مطالبات کرتے ہیں یا اولاد کی حیثیت سے زیادہ کوئی مالی مطالبہ کرتے ہیں جو اولاد کے لیے دشوار ہوتا ہے، تب بھی اولاد کو چاہیے کہ جتنا ممکن ہو والدین کے مطالبات پورا کرنے کی کوشش کرے۔

ایسی صورت میں اگرچہ اولاد کے لیے والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، لیکن اطاعتِ والدین کا درجۂ کمال بہرحال یہی ہے کہ اولاد اپنی پرواہ کیے بغیر ان کا خیال زیادہ رکھے اور انہیں راضی رکھنے اور ان کو آرام پہنچانے کی ہر وقت فکر کرے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی زیادتی کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی فرماں برداری کی تاکید کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَأَطِعْ رَبَّكَ وَ وَالِدَيْكَ وَ إِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ لَّكَ فَاخْرُجْ." (۲)

ترجمہ: "اپنے رب کی اطاعت اور والدین کی فرماں برداری کرو، اگر

---

(۱) والدین کی قدر کیجیے: ۴۰۷، ۴۱۰

(۲) شعب الایمان، بر الوالدین: ۳۷۵/۱٦، الرقم: ۷٦۲۱

والدین تمہیں یہ حکم دیں کہ اپنی ساری چیزیں چھوڑ دو تو چھوڑ دو۔"

اور یہ اس بات پر زبردست دلیل ہے کہ ماں باپ کا حق بہت بڑا ہے، یہاں تک کہ اگر ان سے اولاد کے حق میں کوئی ایسی کاروائی سرزد ہو بھی جائے جو انصاف کے خلاف ہو تب بھی ان کی اطاعت و فرماں برداری سے سرتابی نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور ناراضگی ماں باپ کی خوشی و ناخوشی پر موقوف ہے۔

لہٰذا ان کی طرف سے جو احکام و مطالبات ہوتے ہیں آپ ان کو اپنی ذمہ داری سمجھیں اور ان کو اپنی حیثیت کے مطابق پورا کرنے کی کوشش کریں۔

اس بات کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ اگر ماں باپ کی خوشی میں تن من دھن کی بازی لگانی پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کریں۔

ہاں! اگر وہ کوئی ایسا مطالبہ کریں جو دین اسلام کے خلاف ہو جیسے کسی اللہ کے بندے کی حق تلفی ہو یا اس کا ناگوار اثر دوسرے پر پڑتا ہو...... یا اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو ان صورتوں میں پھر ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے لیکن ادب و احترام کا لحاظ پھر بھی رکھنا چاہیے۔

والدین کا ادب واحترام

ماں باپ کا ادب و احترام ہر مذہب و ملت میں ضروری رہا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب والدین کی بے احترامی و بے اکرامی کی تعلیم نہیں دیتا، اسی طرح دین اسلام جو تمام ادیان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے، جس پر عمل پیرا ہونا نہ صرف آخرت کی، بلکہ اس دنیا کی بھی کامیابی کا ضامن ہے، اس نے بھی والدین کے ادب و احترام کو اتنی اہمیت دی ہے کہ جتنی شاید کسی اور کے حقوق پر ترغیب نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ماں باپ کے ادب کا اتنا خیال کیا گیا ہے کہ باپ کو پکارتے وقت ان کا نام لینے کے بجائے تعظیم کے کلمات استعمال کرنے کا حکم ہے، اس

بارے میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ ایک بڑی عمر کا شخص بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"یہ تیرے ساتھ کون ہے؟"

اس نے عرض کیا: "یہ میرے والد ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَلَا تَمْشِ أَمَامَهٗ وَلَا تَجْلِسْ قَبْلَهٗ وَلَا تَدْعُه بِاسْمِهٖ وَلَا تَسْتَسِبَّ لَهٗ" (۱)

ترجمہ: "(باپ کے اکرام واحترام کا خیال رکھتے ہوئے) ہرگز ان کے آگے مت چلنا، ان سے پہلے مت بیٹھنا، ان کا نام لے کر مت بلانا اور ان کے لیے گالی کا سبب نہ بننا۔"

فائدہ: یعنی ماں باپ کا ادب واحترام دل سے بھی کرے اور زبان سے بھی، عمل سے بھی کرے اور برتاؤ سے بھی۔

اس حدیث پاک میں والد کے احترام میں چند آداب بیان فرمائے ہیں:

① ان سے آگے مت چلنا۔

② کسی جگہ بیٹھنا ہو تو باپ سے پہلے مت بیٹھنا۔

③ باپ کا نام لے کر مت پکارنا۔

④ باپ کے لیے گالی کا سبب نہ بننا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے باپ کو کوئی ناگوار بات کہہ دے تو اس کو یا اس کے باپ کو گالی مت دینا، کیوں کہ اس کے جواب میں وہ پھر تمہارے باپ کو گالی دے گا اور اس طرح تم اپنے باپ کو گالی دلانے کا سبب بن جاؤ گے۔ (۲)

(۱) مجمع الزوائد، البر والصلة، باب ماجاء في البر ......۱۷۶/۸ الرقم: ۱۳۳۹۶

(۲) حقوق الوالدين: ٤٣

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصیحت

ابوغسان فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حرہ (کالے سنگ ریزے والی جگہ) میں چل رہا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے دریافت فرمایا: ''یہ آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟''

میں نے عرض کیا: ''یہ میرے والد ہیں۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''لاَ تَمْشِ بَيْنَ يَدَيْ أَبِيْكَ، وَلٰكِنِ امْشِ خَلْفَهٗ أَوْ إِلٰي جَانِبِهٖ، وَلاَ تَدَعْ أَحَدًا يَحُوْلُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ، وَلاَ تَمْشِ فَوْقَ إِجَّارٍ أَبُوْكَ تَحْتَهٗ وَلاَ تَأْكُلْ عَرَقًا قَدْ نَظَرَ أَبُوْكَ إِلَيْهِ لَعَلَّهٗ قَدِ اشْتَهَاهُ.''(۱)

ترجمہ: ''اپنے والد کے آگے مت چلو، ان کے پیچھے چلو یا ایک جانب کنارہ پر اور اپنے اور ان کے درمیان کسی کو حائل نہ بننے دو اور اس چھت پر نہ چلنا جس کے نیچے والد بیٹھے ہوئے ہوں (یعنی اُن کا اس معاملے میں بھی ادب کرو کہ اوپری منزل میں خود نہ رہو۔ لیکن اگر نیچے کی منزل میں رہنے میں والد کو راحت ہو تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ ادب سے مقصود راحت پہنچانا ہوتا ہے) اور اس ہڈی کو مت کھانا جس کی طرف تیرے والد کی نگاہ ہو شاید کہ اس کے کھانے کی چاہت ان کو ہو۔''

واضح رہے کہ یہ نصیحتیں والد ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، والدہ کے حق میں بھی ان کا خیال رکھنا لازم ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ والد کے آگے مت چلنا، اس سے وہ صورت مُستثنیٰ ہے جس میں والد کی خدمت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے مثلاً: راستہ دکھانا ہو یا کوئی اور ضرورت درپیش ہو، جیسا کہ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی۔

---

(۱) مجمع الزوائد، البر والصلة، باب ماجاء في البر......۱۷۶/۸ الرقم: ۱۳۳۹۷

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کی والد کے ادب و احترام کے بارے میں ہدایت

محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے باپ کے آگے چلے تو اس نے اپنے باپ کی نافرمانی کی، اس لیے ادب یہ ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے چلے، ہاں! اگر وہ آگے اس لیے چلتا ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹائے تو یہ نافرمانی نہیں عینِ ادب ہے اور جس نے باپ کو نام لے کر پکارا تو اس نے باپ کی نافرمانی کی، ہاں! اگر وہ عظمت کے نام سے پکارے تو یہ نافرمانی نہیں ہوگی۔''[۱]

بوڑھے والد کا احترام

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دنیاوی ترقیات سے نوازیں تو ان ترقیات کے گھمنڈ میں اپنے والدین کو اپنے اوپر بوجھ محسوس نہ کریں، نہ ان سے ملنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھیں، کیوں کہ والدین کی دعاؤں کے نتیجے میں ہی ہم اس درجے تک پہنچے ہیں۔ ہم والدین کا ادب و احترام اس طرح کریں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کر کے دکھلایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے حج کرنے کے لیے ۱۲ھ میں مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ والد زندہ تھے، جو بڑھاپے اور کمزوری کے سبب اپنے نیک بخت بیٹے سے (جو اب اسلامی دنیا کے خلیفہ تھے)، ملنے کے لیے مدینہ جانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹنی پر سوار والد کی خدمت میں حاضری کے لیے بے قرار گھر کی طرف بڑھے، دروازے پر پہنچے تو چاہا کہ اونٹنی کو بٹھائیں اور اتر کر بوڑھے باپ کے گلے لگ جائیں، اتنے میں ان کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ رضی

(۱) بر الوالدين لابن الجوزي، اجابة دعوة الوالدين للولد: ۸/۱

اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کسی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی اطلاع دے دی۔ وہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے، سنتے ہی اٹھ بیٹھے اور چاہا کہ دو چار قدم چل کر اپنے سعادت مند بیٹے کا استقبال کریں۔

ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والد کے اس طرح اٹھ کر آگے بڑھنے کے ارادہ کا احساس ہو گیا، یہ گوارا نہ ہو سکا کہ بوڑھا باپ اٹھنے کی تکلیف کرے اپنی اونٹنی کے بیٹھنے کا بھی انتظار نہ کیا اور چھلانگ لگا کر اتر آئے پھر دوڑ کر والد سے بغل گیر ہوئے۔ (۱)

فائدہ: سُبْحَانَ اللّٰہِ! بیٹا عرب و عجم کا خلیفہ ہے، لاکھوں مسلمان اس کے اشارے پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفۂ اول اور یارِ غار ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ مگر کیا مجال کہ باپ کی تعظیم و تکریم میں فرق آنے دے، بلکہ باپ کے اُٹھ کر دو قدم چلنے کی تھوڑی سی تکلیف کو بھی گوارا نہ کیا۔

اس واقعے سے ایک یہ سبق ملا کہ اولاد چاہے دینی یا دنیوی حیثیت سے کتنے ہی بڑے مرتبے پر کیوں نہ ہو وہ اپنے والدین کے ادب و احترام، خدمت و اطاعت سے پھر بھی لاپرواہ نہیں ہو سکتی۔

ادب و احترام کا ایک شان دار طریقہ

والدین کے لیے محبت و اکرام و احترام کے جذبے سے کھڑا ہونا، ان کا ہاتھ اور پیشانی چومنا یہ نہایت عمدہ ادب ہے جس سے والدین کے دلوں میں اولاد کی محبت، عظمت اور بڑھ جاتی ہے اور یہ عمل خود حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ

(۱) اَسباق الاخلاق: ۳۸ تا ۳۹

عنہا سے زیادہ کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہیں پایا۔ نہ عادت و اخلاق میں، نہ چال چلن میں، نہ طور طریقے میں اور نہ اٹھنے بیٹھنے میں، فرماتی ہیں:

''جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لیتے، اس کو چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے لیے اپنی جگہ سے کھڑی ہو جاتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لیتیں، اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھاتیں۔''(۱)

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا ادب

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی والدہ کے ساتھ بہت نیکی کا برتاؤ کیا کرتے تھے، لیکن کھانے کے وقت اپنی والدہ کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے، ان سے دریافت کیا گیا: آپ تو اپنی والدہ کے ساتھ لوگوں میں سب سے زیادہ نیکی کا برتاؤ کرنے والے ہیں، لیکن ہم آپ کو اپنی والدہ کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ والدہ جب کھا کر فارغ ہو جاتی ہیں پھر آپ کھاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس پر انہوں نے فرمایا:

''أَخَافُ أَنْ تَسبِقَ يَدِيَ إِلٰي مَا قَدْ سَبَقَتْ عَيْنُهَا إِلَيهِ فَأَكُوْنَ قَدْ عَقَقْتُهَا.''(۲)

ترجمہ: ''میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ کہیں میرا ہاتھ اس چیز کی طرف نہ

---

(۱) سنن ابي داود، الادب، باب في القيام، الرقم: ۵۲۱۷

(۲) البر والصلة لابن جوزي رحمه الله تعالٰي: ۸۶

بڑھ جائے جس کی طرف میری ماں کی آنکھیں متوجہ ہو گئیں ہوں (یعنی کہیں میں ایسی چیز نہ اٹھالوں جس کے کھانے کی میری ماں خواہش مند ہو) اور اس طرح میں نافرمانوں میں سے ہو جاؤں۔"

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کا ادب

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی والدہ کے بڑے مطیع و خدمت گزار تھے، ان کی بہن کا بیان ہے کہ ہماری والدہ حجازی تھیں، اس لیے انہیں رنگین اور نفیس کپڑوں کا بڑا شوق تھا۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ والدہ کی خواہش کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب کپڑا خریدتے تو محض کپڑے کی لطافت اور خوب صورتی دیکھتے، اس کی مضبوطی کا کچھ بھی خیال نہ کرتے، اپنی والدہ کے کپڑے خود دھویا کرتے، اس خدمت میں اپنے بہن بھائی کو شریک نہ ہونے دیتے۔

ادب کا یہ حال تھا کہ والدہ کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کرتے، جب والدہ سے باتیں کرتے تو اس آہستگی کے ساتھ جیسے کوئی راز کی بات کر رہے ہوں۔

حضرت ابن عون رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ جس وقت اپنی والدہ کے سامنے ہوتے تو ان کی آواز اتنی پست ہوتی تھی کہ ناواقف آدمی انہیں بیمار خیال کرتا۔[۱]

والدین سے ملاقات کے آداب

ہماری کوشش ہو کہ ہمارے کسی بھی عمل سے والدین کو تکلیف نہ پہنچے اور یہ کہ جتنا ہو سکے ان کا ہر طرح سے ادب کر کے ان کو خوش رکھیں، ان ہی آداب میں سے ایک یہ ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اور گھر سے نکلتے وقت والدین سے

(۱) مآخذہ: صفة الصفوة، محمد بن سیرین: ۳/ ۱۶۳، ۱٦٤

اجازت ضرور لیں، سلام کر کے داخل ہوں اور سلام کر کے گھر سے نکلیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”آدمی کو اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے بھائی اور اپنی بہن سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت لینی چاہیے۔“(۱)

یعنی بغیر اجازت گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے اور اجازت لینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں۔ وہ یہ ہے کہ گھر کے دروازے پر پہنچ کر باہر سے سلام کریں، پھر اپنا نام بتا کر گھر میں داخل ہونے کی اجازت لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے جاتے تو یوں اجازت لیتے:

”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، أَیَدْخُلُ عُمَرُ؟“(۲)

یعنی سلام کر کے نام بتا کر اندر داخل ہونے کی اجازت لینی چاہیے۔

اسی طرح آپ مدرسے سے واپس آئیں...... یا اسکول سے یا گھر کا کوئی کام نمٹا کر واپس آئیں تو ادب یہ ہے کہ دروازے کو اتنی آواز سے کھٹکھٹائیں کہ والدہ یا والد صاحب کو اس سے تکلیف نہ پہنچے اور آواز بھی ان کو پہنچ جائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹ کھٹایا کرتے تھے۔“(۳)

اگر گھر میں گھنٹی (Bell) لگی ہوئی ہو تو گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر کھڑے نہ ہو جائیں کیوں کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

سلام کرنے کی عادت ڈالیں

جب گھر میں داخل ہوں یا گھر سے نکلیں تو والدین سے اجازت لینے کے بعد سلام ضرور کریں، کیوں کہ یہ برکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

---

(۱) الادب المفرد، باب یستاذن علی اخیہ، الرقم: ۱۰۶۴

(۲) سنن أبي داود، الادب، في الرجل یفارق الرجل......، الرقم: ۵۲۰۱

(۳) الادب المفرد، باب قرع الباب، الرقم: ۱۰۸۰

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے بیٹا! جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرو یہ تمہارے لیے بھی باعث برکت ہو گا اور تمہارے گھر والوں کے لیے بھی۔"[1]

اس سلسلے میں درج ذیل تین واقعات ملاحظہ فرمائیے:

① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے۔ جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو سب سے پہلے والدہ کے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"

ماں جواب دیتیں:

"وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بُنَيَّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ."

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب میں یوں عرض کرتے:

"وَرَحِمَكِ اللّٰهُ كَمَا رَبَّيْتِنِيْ صَغِيْرًا."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ آپ پر اس طرح رحم فرمائے جیسا کہ آپ نے بچپن میں میری پرورش کی۔"

تو ماں جواب میں فرماتی:

"وَرَحِمَكَ اللّٰهُ كَمَا بَرَرْتَنِيْ كَبِيْرًا"

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم فرمائے جیسا کہ تم نے بڑھاپے میں میرے ساتھ حسن سلوک کیا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب گھر لوٹتے تو پھر یہی انداز اختیار فرماتے۔[2]

---

(۱) جامع الترمذي، الاستيذان، باب ما جاء في التسليم اذا دخل بيته: ٢٦٩٨

(۲) صور من حياة الصحابة: ٤٨٧

(۲) دوسرا واقعہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی فرماتے ہیں کہ:

"والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جب صبح کو دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے تو اپنے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتے اور اجازت طلب فرماتے، دوپہر کو واپسی پر سب سے پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتے اور اجازت مانگتے آخر تک یہ ان کا معمول رہا۔"(۱)

اس سے ہمیں یہ سبق ملا کہ اگر ہم مدرسے یا اسکول میں پڑھتے ہیں تو وہاں جانے سے پہلے والدین کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرنے کے بعد اجازت مانگیں اور اسی طرح مدرسے یا اسکول سے واپسی پر ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے سلام کر کے اجازت طلب کریں۔

ایسا کرنا ہمارے لیے علم و عمل میں ترقی اور برکت کا ذریعہ بنے گا۔

(۳) تیسرا واقعہ ایک بچی کا ہے۔

اس کے والد جب گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے گھر والوں کو یوں سلام کیا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ."

تو ان کی چھوٹی بچی نے جواب میں کہا: "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ."

اور ساتھ ہی اپنے والد سے کہا: "ابو! آپ نے دس نیکیاں کمائیں اور میں نے تیس نیکیاں کمائی ہیں۔"

یعنی ایک جملہ کہنے سے دس نیکی کا اجر ہے اور تین جملے کہنے سے تیس نیکیوں کا اجر ہے۔

سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا یہ کوئی رسمی یا رواجی عمل نہیں، بلکہ دعا ہے، سلام کرنے والا یہ دعا دے رہا ہے کہ تم ہر تکلیف، بیماری اور ہر قسم کے شر سے

---

(۱) حیاۃ مفتی اعظم: ۱۱۴

سلامت (محفوظ) رہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ شفقت و مہربانی اور خیر و برکت والا معاملہ کرے، پھر اسی دعا کو جواب دینے والا لوٹاتا ہے۔ پھر جب ہم والدین کو مکمل سلام کریں گے اور ان کی طرف سے مکمل جواب ملے گا تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر والدین کی دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے، کیوں کہ اولاد کے لیے والدین کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

والدین کے ساتھ ادب کے ساتھ بولنا سیکھیں

آدمی اپنی گفتگو سے پہچانا جاتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"آدمی اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوتا ہے"[1] یعنی جب وہ بولتا ہے، اس کی اندرونی اچھائیاں یا خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

عام لوگوں کے ساتھ گفتگو کے آداب میں سے چند آداب یہ ہیں:

- نرمی کے ساتھ گفتگو کریں، اللہ تعالیٰ نے زبان میں کوئی ہڈی اسی لیے نہیں رکھی تاکہ یہ نرم رہے اور اس سے نرم گفتگو کی جائے۔
- جو بات کہی جائے، اچھی ہو، اس میں اپنا یا دوسروں کا نفع ہو۔
- ایسی بات نہ کہی جائے جس میں طعن ہو۔ اور کسی کے منہ پر اُس کی رائے کا انکار نہیں کرنا چاہیے کہ بھائی! آپ کی بات تو غلط ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کے اولین مفتی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ کے بہترین طریقہ کو اپنانا چاہیے۔

حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اگر کوئی شخص کسی معاملے میں کوئی غلط بات بھی کہتا تو حیاء و مروت سے یہ کبھی نہ فرماتے تھے کہ تم یہ بات غلط کہہ رہے ہو بلکہ اس بات کا صحیح حل تلاش کر کے یوں فرماتے تھے "گویا آپ کا

---

(۱) تفسير روح المعاني: ۱۲/ ۱۸۹، طه: ۵۵

مطلب یہ ہے ...... "اس طرح اس کی غلطی کی درستگی بھی فرمادیتے اور تردید کے الفاظ سے بچ جاتے تھے۔"[۱]

- بات ہمیشہ درست اور منصفانہ ہو، اس میں دروغ گوئی نہ ہو۔

والدین سے آدابِ گفتگو کے متعلق قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝﴾[۲]

ترجمہ: "اور ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کو والدین سے گفتگو کا ادب سکھایا ہے کہ ان سے محبت و شفقت کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرو، ان کے ساتھ ایسی ناشائستہ اور سخت بات ہرگز نہ کرنا جو ان کے دل کو زخمی کر دے، ان سے اندازِ گفتگو مہذب اور شیریں ہو، جیسا کہ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جس طرح ایک غلام ایک سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے ایسے ہی فرماں بردار اولاد اپنے والدین سے نرم لہجے میں بات کرے۔"[۳]

والدین کے ساتھ درمیانی آواز میں گفتگو کرنے کی کوشش کریں، نہ اتنا آہستہ کہ وہ سن نہ سکیں اور نہ اتنی بلند آواز میں کہ والدین پر رعب جمانے کا خطرہ ہونے لگے۔

اور جب بات کریں تو کام کی بات کریں۔ ہر وقت بولنا اور بے ضرورت باتیں کرنا وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر بات کا جواب دینا ہے۔

جب آپ کو آواز دیں تو بڑی خندہ پیشانی سے انہیں یوں جواب دیں۔

"جی ابا جان"، "جی اماں جان حاضر ہوں"، پھر ان کی بات بڑی خاموشی سے

---

(۱) اکابر دیوبند کیا تھے؟: ۱/۲۶

(۲) بني اسرائيل: ۲۳

(۳) تفسير قرطبي: ۵/۱۷۸، الاسراء: ۲۳

سنیں۔

والدین سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا ہو تو انتہائی نرم لہجے میں کریں، اگر وہ منع کریں تو زیادہ اصرار سے ان کو پریشان نہ کریں، اس لیے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ وہی آپ کی ضروریات پوری کرتے ہیں، پھر بھی اگر وہ منع کر رہے ہیں تو ضرور کوئی وجہ ہو گی۔

والدین اگر آپس میں بات کر رہے ہوں تو آپ بلا اجازت بیچ میں ان کی بات نہ کاٹیں، بلکہ اگر ضرورت ہو تو اجازت لے لی جائے۔

ان کے سامنے ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کریں، جھوٹ کبھی نہ بولیں، چاہے کتنا ہی عظیم نقصان ہو۔

عمر کے آخری حصے میں جب کم زوری بڑھ جاتی ہے تو عمومی طور پر ماں باپ مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں یعنی اپنی رائے پر بے جا اصرار کرتے ہیں، بار بار خفا ہوتے ہیں، طرح طرح سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، ان مواقع پر آپ قرآنی ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے خندہ پیشانی سے ان ساری باتوں کو برداشت کریں اور کسی وقت اُکتا کر کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالیں جو ان کے ادب و احترام کے خلاف ہو۔

اس وقت آپ اپنے بچپن کے وقت کو یاد کریں کہ آپ نا سمجھی میں کس طرح غیر ضروری سوالات اور بے معنی باتیں والدین سے کرتے تھے، لیکن ماں باپ خندہ پیشانی سے آپ کی تمام باتیں سنتے، خوش ہوتے، محبت بھرے لہجے میں جواب دیتے اور کبھی نہ اکتاتے تھے۔

سبق آموز واقعہ

ایک صاحب بوڑھے ہو گئے، انہوں نے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ ایک دن گھر کے صحن میں باپ، بیٹا بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کوا گھر کی دیوار پر آکر بیٹھ گیا،

تو باپ نے بیٹے سے پوچھا: ”بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟“

بیٹے نے کہا: ”ابا جان! یہ کوا ہے“، تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پھر پوچھا: ”بیٹے! یہ کیا چیز ہے؟“

اس نے کہا: ”ابا جان! یہ کوا ہے“، پھر جب تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا: ”بیٹے! یہ کیا ہے؟“ بیٹے نے کہا: ”ابا جان! ابھی تو آپ کو بتایا تھا کہ یہ کوا ہے“، تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا: ”بیٹا: یہ کیا ہے؟“

اب بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آگئی اور اس نے جھڑک کر کہا: ”ابا جان! کوا ہے کوا“، پھر تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پھر پوچھا: ”بیٹا! یہ کیا ہے؟“

اب بیٹے سے رہا نہ گیا۔ اس نے کہا کہ آپ ہر وقت ایک بات پوچھتے رہتے ہیں ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوا ہے، آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔ بہرحال اس طرح بیٹے نے باپ کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد باپ اپنے کمرے میں اٹھ کر گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال لایا اور اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا: ”بیٹا! یہ ذرا پڑھنا، کیا لکھا ہے؟“

اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا ”کہ آج میرا چھوٹا بیٹا صحن میں بیٹھا ہوا تھا اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک کوا آگیا، تو بیٹے نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا کہ ”ابا جان! یہ کیا ہے؟“ تو میں نے ۲۵ مرتبہ اس کو جواب دیا کہ ”بیٹا! یہ کوا ہے“ اور اس ادا پر بڑا پیار آیا۔“ اس کے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا: ”بیٹا! دیکھو! باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے، جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے نہ صرف جواب دیا، بلکہ میں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے اس کی ادا پر بڑا پیار آیا، آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ

آ گیا۔"[1]

فائدہ: ہمارے والدین ہمارے ساتھ کیسا شفقت کا معاملہ کرتے ہیں، خود کتنی تکلیفیں سہی ہیں، لیکن ہمیں ان تکلیفوں سے بچایا ہے، تو کیا ہم پر حق نہیں کہ ہم ان کی بات کو احترام سے سنیں اور ان کے ساتھ گفتگو بہت دھیمے لہجے میں کریں۔

والدین کی محبت و شفقت کسی سے مخفی نہیں اور جب اولاد نرم لہجہ اختیار کرے تو اس محبت کی ترقی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ نرم لہجہ، اچھی گفتگو تو پتھروں کو بھی نرم کر دیتی ہے، غیروں کو اپنا بنا لیتی ہے، دشمنی کو دوستی میں بدل دیتی ہے۔

ذیل میں چند ایسے واقعات لکھے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نرم گفتگو اپنوں اور غیروں کے دلوں میں کس درجہ محبت پیدا کر دیتی ہے۔

عظیم باپ، عظیم بیٹا

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی اپنے بستر پر پہلو کے بل لیٹے ہی تھے کہ ان کا سترہ سالہ بیٹا عبد الملک کمرہ میں داخل ہوا۔

اس نے کہا: "امیر المؤمنین! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

فرمایا: "بیٹا! میں تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں، اس لیے کہ اب میرے جسم میں طاقت نہیں ہے، میں بہت تھک چکا ہوں۔"

بیٹے نے کہا:

"أَوَ أَمِنْتَ الْمَوْتَ أَنْ يَّأْتِيَكَ وَ رَعِيَّتُكَ عَلٰي بَابِكَ يَنْتَظِرُوْنَكَ وَأَنْتَ مُحْتَجِبٌ عَنْهُمْ؟"

ترجمہ: "امیر المؤمنین! کیا آپ اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ آپ کو موت اس حال میں آئے کہ رعایا آپ کے دروازے پر آپ کا انتظار

(۱) اصلاحي خطبات: ٤/ ٧١

کر رہی ہو اور آپ ان سے چھپ رہے ہوں؟"

فرمایا: "بیٹا! میں تمہارے چچا خلیفہ سلیمان کی وفات کی وجہ سے گزشتہ ساری رات جاگتا رہا، تھکاوٹ کی وجہ سے میرے جسم میں طاقت نہیں ہے، اِنْ شَاءَ اللّٰہ تھوڑا آرام کرنے کے بعد نمازِ ظہر لوگوں کے ساتھ پڑھوں گا اور پھر یقیناً مظلوموں کی فریادرسی ہوگی اور ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے گا، کوئی محروم نہیں رہے گا۔"

بیٹے نے کہا:

"وَمَنْ لَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! بِأَنْ تَعِيْشَ إِلَى الظُّهْرِ؟"

فَأَلْهَبَتْ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ عَزِيْمَةَ عُمَرَ وَأَطَارَتِ النَّوْمَ مِنْ عَيْنَيْهِ، وَبَعَثَتِ الْقُوَّةَ وَالْعَزْمَ فِيْ جَسَدِهِ الْمُتْعَبِ، وَقَالَ: اُدْنُ مِنِّيْ أَيْ بُنَيَّ! فَدَنَا مِنْهُ فَضَمَّهُ إِلَيْهِ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ.

ترجمہ: "امیر المؤمنین! اس کی کون ضمانت دیتا ہے کہ آپ ظہر تک زندہ رہیں گے؟"

بیٹے کی یہ بات سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ تڑپ اٹھے، آنکھوں سے نیند جاتی رہی، تھکے ہوئے جسم میں دوبارہ توانائی لوٹ آئی اور ایک دم جست لگا کر بیٹھ گئے اور فرمایا: "بیٹا! ذرا میرے قریب آؤ"، بیٹا قریب ہوا تو اسے گلے لگا کر پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ لِيْ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ مَنْ يُّعِيْنُنِيْ عَلٰى أَمْرِ دِيْنِيْ"(۱)

ترجمہ: "اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسا نیک فرزند عطا کیا ہے جو دینی معاملے میں میری اعانت کرتا ہے۔"

پھر حکم دیا کہ یہ اعلان کر دیا جائے کہ جس پر کوئی ظلم ہوا ہے وہ اپنا مقدمہ خلیفہ کے سامنے پیش کرے۔

---

(۱) مأخذہ: صفة الصفوة، عبدالملك (ابن عمر بن عبدالعزيز): ۲/ ۹۰

فائدہ: یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ مثالی اولاد اپنے والدین کے عظیم مقاصد میں ان کی معاون بنتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت کی تمام رعایا کو ہر قیمت پر انصاف فراہم کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ عدل و انصاف کو ہر وقت عام کرنا ان کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا۔ دن رات کی ان تھک محنت کی وجہ سے جب وقتی طور پر ان کے جذبے ماند پڑنے لگے تو ان کے بیٹے کے مختصر مگر پر حکمت جملے نے ان کے اندر نئی روح پھونک دی۔

اسی طرح اگر ہمارے والدین بھی کسی نیک مقصد میں لگے ہوں تو ہمیں بھی ان کے اس عظیم مقصد میں اُن کا معاون بننا چاہیے اور ہر موقع پر ان کا حوصلہ بلند کرتے رہنا چاہیے۔

امیر المؤمنین سے نو عمر لڑکے کی گفتگو

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب خلافت ملی تو ملک کے مختلف اطراف سے لوگ مبارک باد دینے کے لیے آئے۔ ان میں ایک حجازی لڑکا بھی تھا جو بالکل نو عمر تھا۔

خلیفہ نے کہا: ”اے لڑکے! کسی اپنے سے بڑی عمر والے کو گفتگو کرنے کے لیے پیش کرو۔“

لڑکے نے کہا: ”امیر المؤمنین! جب اللہ تعالیٰ بندے کو بولنے والی زبان اور ذکر کرنے والا دل عطا کرے تو وہ کلام کا مستحق ہوتا ہے اور اے امیر المؤمنین! اگر عمر کا لحاظ ہوتا تو اس وقت امت میں جو آپ سے بڑی عمر والے ہیں وہ خلافت کے زیادہ مستحق ہوتے۔“

امیر المؤمنین نے کہا: ”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

لڑکے نے کہا: ”ہم مبارک باد پیش کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ آپ جیسا عادل و منصف خلیفہ ہم پر مقرر کیا ہے۔“

امیرالمؤمنین نے کہا: ”اے لڑکے! کوئی اور بات؟“

لڑکے نے کہا: ”بہت سے ایسے بادشاہ گزرے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حلم (برداشت) پر مغرور ہو گئے اور اس سے غافل ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے، خوش آمدی مصاحبوں نے ان کو رعایا کے حالات سے غافل کر کے نفسانی خواہشات پورا کرنے میں پھنسا دیا۔ بے شک ایسے لوگ جلتی ہوئی آگ کا ایندھن ہیں۔

اے امیرالمؤمنین! ہماری دعا ہے کہ آپ ایسے لوگوں میں داخل و شامل نہ ہوں، بلکہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے نیک لوگوں کے ساتھ آپ کا حشر کرے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ صرف گیارہ سال کا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اس نو عمر لڑکے کی دانش مندانہ گفتگو سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا: ”کاش! آج ایسے صاف گو اور دانش مند بچے ہماری قوم میں پیدا ہوتے جن کی عقل و دانش سے بڑے بڑے لوگوں کے ضمیر روشن ہوتے۔“(۱)

فائدہ: خوفِ خدا اور فکرِ آخرت وہ عناصر ہیں جن کے بغیر ہر حالت میں اللہ کے حکم پورے کرنا اور نفس کی شرارتوں سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مثالی اولاد خود بھی اس کا دھیان رکھتی ہے اور مناسب پیرایے میں اپنے بڑوں کو بھی یاد دہانی کراتی رہتی ہے۔ یعنی مثالی اولاد سے والدین کے علاوہ دیگر لوگ بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اس کو دعائیں دیتے ہیں جس سے والدین کی بھی آخرت سنورتی ہے۔

مثالی اولاد کے لیے چند ضروری اور عمدہ صفات

ذیل میں چند صفات ذکر کی جاتی ہیں جن کے بغیر اولاد کا مثالی بننا مشکل ہی

(۱) اسباق الاخلاق: ۱٤۱

نہیں، بلکہ غالباً ناممکن ہے۔ یوں تو ان صفات کے علاوہ اور بھی بہت سی صفات ایسی ہیں کہ جن کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے، لیکن اگر یہ صفات اولاد میں پائی جائیں تو باقی صفات اِنْ شَاءَ اللہ خود بخود آتی چلی جائیں گی۔

وہ صفات یہ ہیں:

① دین داری ② علم ③ اتباعِ سنت ④ اچھے اخلاق ⑤ ایثار ⑥ صدق ⑦ اچھی صحبت۔

پہلی صفت: دین داری

اولاد کا دین دار ہونا دین و دنیا کے لحاظ سے ایک عظیم انعام ہے، اگر اولاد دین دار ہو تو والدین کے لیے بہترین معین و جانشین ثابت ہوتی ہے، دینی کاموں کی انجام دہی میں والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون بن جاتی ہے۔

نیک اولاد کی تمنا تو انبیا کرام علیہم السلام نے بھی کی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نیک اولاد کی دعا کی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (۱)

ترجمہ: ”میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دیدے جو نیک لوگوں میں سے ہو۔“

اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے کہ انہوں نے بھی نیک اولاد کی دعا کی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ﴾ (۲)

(۱) الصّٰفّٰت: ۱۰۰

(۲) آل عمران: ۳۸

ترجمہ: ”یارب! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔“

اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان مخلص بندوں کی دعا کا بھی ذکر فرماتا ہے کہ جنہوں نے اللہ عز وجل سے دعائیں کی ہیں وہ انہیں ایسی نیک اولاد مرحمت فرمادے، جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾ (۱)

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی اور بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔“

پھر انبیا علیہم السلام اور ان کے متبعین کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ اصلی اور دائمی دولت سمجھتے ہیں وہی چیز ان کی اولاد کو پوری پوری مل جائے، اس کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں، کوششیں بھی اور آخر میں وصیت بھی اسی کی کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو وصیت کرنے کا ذکر ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو موت کے وقت اختیار دیا گیا جس طرح دیگر انبیا کرام علیہم السلام کو موت کے وقت اختیار دیا جاتا ہے (کہ دنیا کی زندگی چاہیے یا موت) تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے موت کو اختیار کرتے ہوئے اس بات کا مطالبہ کیا کہ:

”اَمْهِلُوْنِيْ حَتّٰي اُوْصِيَ بَنِيَّ وَأَهْلِيْ.“

”مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے بیٹوں اور گھر والوں کو وصیت کروں۔“

اس کے بعد بیٹوں اور سب گھر والوں کو جمع کر کے فرمایا:

”میرے دنیا سے جانے کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟“

---

(۱) الفرقان: ۷٤

بیٹوں نے بھی درست جواب دیا: ''ہم اس ذات کی عبادت کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت) ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) عبادت کرتے تھے۔ وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہیں اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔''(۱)

فائدہ: اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ باپ کو اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے اور ماں باپ چاہتے یہی ہیں کہ ہماری اولاد نیک بن کر، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی صالحین کی صف میں کھڑی ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اولاد سے یہ نہیں فرمایا کہ میرا مال کیسے تقسیم کرو گے، میری جائیداد کیسے تقسیم کرنی ہے، بلکہ زندگی کے آخری لمحوں میں دنیا سے کوچ کرتے ہوئے بھی اپنی اولاد کی آخرت کی فکر کرتے رہے اور انہیں دین دار بننے کی نصیحت کرتے رہے۔

حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحت

حضرت لقمانِ حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے اور راہِ راست پر چلنے کی نصیحت کی ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝﴾(۲)

''اور جب انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔''

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۱/۱۰۶، البقرۃ: ۱۳۳

(۲) لقمان: ۱۳

صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿١٦﴾ (۱)

''بیٹا! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین تب بھی اللہ اُسے حاضر کر دے گا۔ یقین جانو اللہ بڑا باریک بین بہت باخبر ہے۔''

﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾ ﴾ (۲)

''بیٹا! نماز قائم کرو اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے اس پر صبر کرو، بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ اور لوگوں کے سامنے (غرور سے) اپنے گال مت پھلاؤ اور زمین پر اِتراتے ہوئے مت چلو۔ یقین جانو اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز آہستہ رکھو، بے شک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔''

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت لقمان رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان نصائح کی وضاحت کرتے ہیں:

''لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت اور وصیت یہ کی کہ کفر اور شرک نہ کرنا جس کا حاصل توحید اور اخلاص تھا اور دوسری نصیحت اور وصیت یہ کی کہ ہر عمل

(۱) لقمان:۱٦

(۲) لقمان:۱۷ تا ۱۹

کے وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھنااور یہ یقین رکھنا کہ بندہ کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اور یہ تصور اور استحضار کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں گناہوں سے بچنے میں بڑااثر رکھتا ہے۔

بندہ پر پہلا فرض توحید اور اخلاص ہے اور دوسرا فرض اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور اللہ کی عظمت اور قدرت اور ہیبت کا استحضار ہے اور اس کے بعد درجہ ہے اطاعت اور عبودیت کا۔ اس لیے لقمان حکیم نے اپنے فرزند کو اول دو بنیادی فرض بتلائے۔ بعد ازاں اپنے فرزند کو طاعت اور عبودیت اور چند فضائل اعمال ادا کرنے اور چند برے اعمال سے باز رہنے کی نصیحت کی اس لیے کہ عقائد بمنزلہ بنیاد کے ہے اور عمل بمنزلہ عمارت کے ہے اس لیے آئندہ آیات میں اعمال کے متعلق نصیحتوں کا بیان ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ بیٹا نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہنا یعنی نماز کو اپنے حدود اور آداب اور اوقات کے ساتھ قائم رکھنا نماز دین کا ستون ہے اس کے قائم رہنے سے دین قائم رہتا ہے نماز کے قائم کرنے سے تو خود تمہاری تکمیل ہوگی۔

اور اس کے بعد درجہ دوسروں کی تکمیل کا ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کو نیک باتوں اور پسندیدہ باتوں کا حکم کرو اور بری اور ناپسندیدہ باتوں سے ان کو منع کرو۔ اور اس خصوص میں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں تم کو جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو بے شک ایذاؤں پر صبر کرنا بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے، جو شخص صبر نہ کرے وہ اس لائق نہیں کہ اس کو امام اور پیشوا بنایا جائے۔

اول شکر کی تعلیم دی جس کا تعلق نعمتوں سے ہے اور پھر اخیر میں صبر کی تعلیم دی جس کا تعلق مصیبتوں سے ہے، خاص کر نصیحت کے وقت صبر کرنا بہت مشکل کام ہے صبر ایسا جامع اور کامل مقام ہے کہ جو تمام فضائل اور شمائل کو شامل ہے اور تمام اچھے اخلاق کا سرتاج ہے۔

اب صبر کی تاکید کے بعد بعض برے اخلاق سے منع کیا جن کا تعلق حقوقِ عامہ سے ہے اور جن آنے والے زوائل سے اپنے بیٹے کو منع کیا ان سب کا اصل مادّہ تکبر اور تفاخر ہے چنانچہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی۔

اور اے بیٹے جب تم لوگوں سے ملاقات کرو تو ان کو حقیر سمجھ کر ان سے اپنا رخسار نہ موڑنا جیسا کہ متکبرین کا طریقہ ہے کہ وہ منہ اور گردن موڑ کر بات کرتے ہیں ادب اور تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بات کرو۔

اور اے بیٹے زمین پر اتراتے ہوئی اور اکڑتے ہوتے مت چلنا بے شک اللہ تعالیٰ ہر تکبر کرنے واے اور شیخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

زمین جو کہ نہایت پست جگہ ہے وہاں کے باشندہ کے لیے تو تواضع ہی مناسب ہے بڑائی اور شیخی اس کو زیب نہیں دیتی۔

اور اے بیٹے اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر یعنی بیچ کی چال چل اور فروتنی سے قدم رکھ اور اے بیٹے جب بولے تو اپنی آواز کو نرم اور پست کر دے۔

بے ضرورت آواز کو بلند کرنا برا ہے سخت اور کرخت آواز لوگوں پر گراں ہوتی ہے۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنے بیٹے کو نصیحت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"يَا بُنَيَّ أُوْصِيكَ بِتَقْوَي اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَكَلِمَةِ الْحَقِّ فِي الرِّضَاءِ وَالْغَضَبِ وَالْقَصْدِ فِي الْغِنٰي وَالْفَقْرِ وَالْعَدْلِ فِي الصَّدِيْقِ وَالْعَدُوِّ وَالْعَمَلِ فِي النِّشَاطِ وَالْكَسَلِ وَالرِّضَا عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰي." (۲)

(۱) معارف القرآن: ۵/۴۲۹، لقمان: ۱۶

(۲) سفينة الفرج: ۵۴۳

ترجمہ: "اے میرے بیٹے! تجھے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں تنہائی اور مجمع میں...... اور حق بات کہنے کی وصیت کرتا ہوں خوشی اور غصے کی حالت میں...... اور میانہ روی کی وصیت کرتا ہوں مال داری اور فقیری میں...... اور انصاف کی وصیت کرتا ہوں دوست و دشمن کے بارے میں...... اور عمل کی وصیت کرتا ہوں چستی اور سستی...... میں اور اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔"

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بیٹے کو نصیحت

اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یَا بُنَيَّ لَيْسَ الْخَيْرُ اَنْ يَكْثُرَ مَالُكَ وَوَلَدُكَ وَلٰكِنَّ الْخَيْرَ أَنْ تَعْقِلَ عَنِ اللّٰهِ ثُمَّ تُطِيْعَهُ"

ترجمہ: "اے میرے پیارے بیٹے! بھلائی یہ نہیں کہ تیرا مال اور اولاد بڑھ جائے، بلکہ بھلائی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پہچانے اور اس کی تابع داری کرے۔"

انبیا کرام علیہم السلام کی دعائیں سبق آموز ہوتی ہیں۔ انہوں نے نیک اولاد کی جو دعائیں مانگی ہیں اور پھر انبیا کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین نے اپنی اولاد کو جو نصائح کی ہیں، ان سے یہ بات واضح ہوتی ہیں کہ والدین کے نزدیک دین داری کی کتنی قدر اور والدین کو بچوں کی دین داری سے کس طرح دل کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

ذیل میں دین دار اولاد کے متعلق چند واقعات لکھے جاتے ہیں۔

دین داری کا صلہ

رات کی تاریکی نے دنیا کی ہر چیز کو اپنے پردے میں چھپا دیا ہے، ہر جان دار چیز

اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر خود کو اپنی حد تک محفوظ کر چکی ہے، ایسے وقت میں آدھی دنیا پر حکمرانی کرنے والے، عدل و انصاف کے پیکر، خلیفۂ ثانی امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے نکلتے ہیں اور مدینہ کی گلیوں میں گشت کرنے لگتے ہیں، تاکہ یہ معلوم کریں کہ رعایا کس حال میں ہے، کہیں کوئی تکلیف میں مبتلا تو نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کی سلطنت میں کوئی بھوکا پیاسا ہو اور قیامت کے دن عمر کو اس کی جواب دہی کرنا پڑے۔ بس اسی قیامت کی پیشی کے خوف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رات کے گشت پر مجبور کر دیا تھا۔

چلتے چلتے ایک مکان سے باتوں کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم رک گئے۔ کان لگا کر سننے لگے "ماں نے بیٹی سے کہا:

"اے بیٹی! ذرا دودھ میں پانی ملا دے، مقدار بڑھنے سے پیسے زیادہ مل جائیں گے، ضروریاتِ زندگی پوری کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔"

بیٹی نے جواب میں کہا: "اے اماں جان! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیرالمؤمنین کا حکم ہے کہ دودھ میں ملاوٹ نہ کی جائے۔"

فقر و فاقہ کے ہاتھوں مجبور، بے بس ماں کو دنیا کے کاموں اور ضروریاتِ زندگی کا زیادہ تجربہ تھا، یقیناً اس بے چاری کے دل میں اپنے پیٹ سے بڑھ کر اپنی بیٹی کے پیٹ کو بھرنے کی فکر ہو گی اور اس کو یہ غم بھی ستاتا ہو گا کہ جہیز کا انتظام نہ کیا تو...... اپنی لختِ جگر کی رخصتی کیسے کر سکے گی؟ کہنے لگی: "اے بیٹی! کیا امیرالمؤمنین یہاں موجود ہیں؟"

بیٹی نے دنیا کی راحت پر آخرت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا:

"اے اماں جان! امیرالمؤمنین یہاں موجود نہیں تو کیا ہوا...... امیرالمؤمنین کا اللہ تو موجود ہے، وہ تو ہمیں دیکھ رہا ہے، امیرالمؤمنین کی عدالت سے تو بچ سکتے ہیں، مگر قیامت کے دن کی عدالت سے کیسے چھٹکارا حاصل ہو گا؟"

بیٹی کا یہ جواب سن کر ماں لاجواب ہو گئی اور دودھ میں ملاوٹ کا ارادہ ترک کر

کے حرام کے چند ٹکوں سے اپنے آپ کو بچالیا۔

خدا خوفی پر انعام

امیر المؤمنین اس بچی کی گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، گھر کے باہر نشان لگا کر واپس آ گئے، اگلے روز بڑھیا کے دروازے پر امیر المؤمنین نے دستک دی اور اپنے بیٹے کے لیے اس خدا ترس بچی کا رشتہ طلب کیا۔ (۱)

فائدہ: سوچنے کی بات ہے کہ غریب گھرانے کی بچی ہے، مگر رشتہ مانگنے والا اپنے وقت کا سب سے بڑا حکمران ہے، ایسا کیوں ہوا؟ ایسا صرف اس بچی کی دین داری، دیانت داری اور خدا خوفی کے زیور سے آراستہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔ آج بھی اگر ہر مسلمان مرد و عورت اسی طرح دل میں خوف پیدا کرلے اور یہ تہیہ کرلے کہ مجھے دنیا کے سکھ، دنیوی عیش و عشرت کے بجائے اخروی کام یابی اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیے تو اس کا ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ بدلہ اور ثمرہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیں گے کہ چین و آرام کی زندگی نصیب ہوگی اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی اپنا اتنا خوف پیدا کردے جس سے ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رہیں، آمین۔

دین دار بچہ

بہت سے بچے کھیل کود میں مصروف تھے، اچانک جمعے کی اذان کی آواز آئی تو فوراً ایک بچہ کھیل چھوڑ کر دوسرے بچوں سے کہنے لگا: "میں نے اپنے ماموں سے سنا ہے کہ تین جمعے چھوڑنے والا منافق لکھا جاتا ہے، اس لیے چلو جمعہ پڑھنے چلیں۔"

آپ جانتے ہیں کہ یہ بچہ کون تھا......؟

اس کا نام رشید احمد تھا، وہ بڑا ہو کر مولانا رشید احمد گنگوہی بنا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بچپن ہی سے جمعے کے علاوہ بھی پانچ وقت کی نماز کے پابند تھے، ساتھ ہی وقت پر باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے، کیوں کہ اگر نماز باجماعت مسجد

---

(۱) کنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل من لیسو ابالصحابة: ۱۴/ ۱۱، ۱۲، الرقم: ۳۷۸۴۴

میں ادا کی جائے تو ۲۷ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

ان کے بچپن کا ایک اور واقعہ ہے کہ جب ان کی عمر ساڑھے چھ سال تھی، وہ ایک دن ٹہلتے ٹہلتے قصبے سے باہر نکل گئے۔ وہاں غروبِ آفتاب کا وقت ہو گیا تو خیال آیا کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ بھاگے بھاگے مسجد پہنچے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ وضو کے لیے لوٹوں کی طرف بڑھے، دیکھا تو تمام لوٹے خالی ہو چکے تھے، انہیں اپنی جماعت کی نماز کی بہت فکر تھی۔

اس لیے فوراً کنوئیں کی طرف بڑھے، کنوئیں میں ڈول ڈالا، ڈول کافی وزنی تھا اور کچھ جماعت کی نماز ضائع ہونے کے خطرے سے گھبرا بھی رہے تھے، اس گھبراہٹ میں ڈول کی رسی پاؤں میں الجھ گئی۔ ساڑھے چھے سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؟ ذرا سا جھٹکا لگا اور دھڑام سے کنوئیں میں جا گرے۔ نمازیوں کو نماز میں احساس ہوا کہ کوئی کنوئیں میں گر گیا ہے، امام صاحب نے جلدی سے چھوٹی سورۃ پڑھ کر نماز پوری کرائی اور تمام نمازی جلدی جلدی کنوئیں کی طرف لپکے، ہر ایک کنوئیں میں جھانک رہا تھا۔

اتنے میں کنوئیں کے اندر سے ایک آواز آئی: فکر مت کریں، میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں۔ سب لوگ حیران ہوئے، جب انہیں باہر نکالا گیا تو انہوں نے بتایا: ”اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ڈول پانی میں الٹا گرا اور جب میں پانی میں گرا تو اپنے حواس پر قابو رکھتے ہوئے فوراً اس ڈول پر بیٹھ گیا، جو کشتی کی طرح تیرتا رہا، مجھے صرف پاؤں کی چھوٹی انگلی میں معمولی سی خراش آئی ہے اور بس۔“

فائدہ: اس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ میں استقامت و استقلال اور مصیبت میں نہ گھبرانا، اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار کرنا، دوسروں کو اطمینان دلانا وغیرہ خصوصیات بچپن سے موجود تھیں، ورنہ ساڑھے چھے سال کا بچہ تو ویسے ہی چیخ و پکار کر کے آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔[1]

(۱) بشکریہ بچوں کا اسلام، شمارہ نمبر ۲۸ یکم ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ

خلیفہ ہارون رشید کا بیٹا

خلیفہ ہارون رشید کا ایک لڑکا سولہ برس کا تھا، وہ نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت میں بہت رہتا، اس کی یہ حالت تھی کہ قبرستان میں نکل جاتا وہاں جا کر مردوں سے خطاب کر کے کہتا: تم ہم سے پہلے موجود تھے اور دنیا کے مالک تھے اور اب تم قبروں میں ہو۔ اے کاش! مجھے خبر مل جائے کہ تم کیا بولتے تھے اور لوگ تم سے کیا کیا کہا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ اس قسم کے حسرت آمیز کلمات کہتا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر روتا۔

رسوائی کا الزام

ایک دن کا قصہ ہے کہ یہ لڑکا اپنے والد ہارون رشید کے پاس آیا...... اس وقت امرا، وزرا اور ارکانِ دولت سب بیٹھے ہوئے تھے اور وہ اس حالت میں تھا کہ ایک کمبل اوڑھے اور ایک تہ بند باندھے ہوئے تھا۔

جب اس کی اس حالت کو ارکانِ دولت و سلطنت نے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کو بادشاہوں میں ایسی ہی اولاد نے بدنام کیا ہے، اگر امیر المؤمنین اس کو تنبیہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اپنی اس حالت کو چھوڑ دے۔

آہستہ آہستہ یہ بات خلیفہ ہارون رشید کے کانوں تک پہنچی، اس کو بھی یہ بات پسند آئی اور بیٹے سے کہا: ”اے بیٹا! تمہارے اس چال چلن نے مجھے رسوا کر دیا۔“

اس نے یہ سن کر ہارون رشید کی طرف دیکھا، لیکن جواب نہیں دیا۔

عملی جواب

اللہ کی شان ایک پرندہ قلعے کے برج پر بیٹھا ہوا تھا، لڑکے نے اس کی طرف دیکھ کر کہا: ”اے پرند! تجھ کو تیرے پیدا کرنے والے کی قسم! تو میرے ہاتھ پر بیٹھ جا۔“

وہ پرندہ یہ سن کر فوراً لڑکے کے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ کچھ دیر کے بعد اس سے کہا:

"اپنی جگہ چلا جا۔" وہ چلا گیا، پھر کہا: "ابا جان! آپ نے بھی مجھے اپنی حبِ دنیا (دنیا کی محبت) کی وجہ سے رسوا کر دیا ہے، اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ میں آپ سے علاحدہ رہوں گا" اور یہ کہہ کر بغیر کچھ لیے چل کھڑا ہوا۔ صرف ایک قرآن مجید اور ایک انگوٹھی ہم راہ لی، چلتے چلتے بصرہ میں آکر ٹھہرا اور مزدوروں کے ساتھ مٹی گارے کا کام اختیار کیا، ہفتہ بھر میں صرف ہفتے کے دن ایک درہم اور ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) کی مزدوری کر لیتا، اور سات دن ایک دانق روز کے حساب سے اسے کھاتا۔

لڑکے کی کرامت

ابو عامر بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میرے گھر کی ایک دیوار گر گئی تھی، میں اسے بنوانے کے ارادے سے مزدوروں کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا کہ مزدور کی شکل میں ایک خوب صورت جوان لڑکا ہے، میں نے ایسا حسین لڑکا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس کے سامنے ایک زنبیل ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا: "لڑکے! کچھ کام کرو گے؟"

اس نے جواب دیا: "کیوں نہیں! کام کے لیے تو پیدا ہوئے ہیں، لیکن یہ بات بتاؤ کہ کس قسم کا کام لو گے؟"

میں نے کہا: "گارے مٹی کا کام کرنا ہو گا۔" اس نے کہا: "بہتر ہے، لیکن ایک درہم اور ایک دانق لوں گا اور نماز کے وقت اپنی نماز پڑھوں گا۔" میں نے کہا: "منظور ہے چلیے۔" میں لے کر آیا اور کام میں لگا کر چلا گیا۔

جب مغرب کا وقت آیا تو آکر کیا دیکھتا ہوں کہ اس نے دس آدمیوں کے برابر کا کام کیا ہے۔ میں اسے بجائے ایک درہم اور ایک دانق کے دو درہم پورے دینے لگا۔ کہا: "اے ابو عامر! اس کا کیا کروں گا؟" اور لینے سے صاف انکار کر دیا، پھر میں نے ایک درہم اور ایک دانق دے کر اسے رخصت کر دیا۔

دوسرے دن پھر میں اس کی تلاش میں بازار گیا، ہر طرف تلاش کیا، لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: ”ایک ایسی صورت کا لڑکا جو مزدوری کرتا ہے، کہاں ہے؟“

لوگوں نے کہا: ”وہ صرف ہفتے کے دن مزدوری کیا کرتا ہے، اب تم اس کو ہفتے کے دن ہی دیکھو گے۔“ میں نے سوچا کہ کام کو چند تک موخر کر دیتا ہوں، جب وہ آئے تو یہ کام اسی سے لوں گا۔

جب ہفتے کا دن آیا تو اس کی تلاش میں بازار آیا، دیکھا اسی حالت میں موجود ہے۔ میں نے اسے سلام کیا اور کام کے لیے اس سے کہا، اس نے اسی طرح کی شرطیں رکھیں۔ میں سب قبول کر کے اسے لے آیا اور کام پر لگا دیا اور خود دور بیٹھ کر میں نے دیکھا کہ یہ کس طرح اس قدر جلدی اتنا کام کر لیتا ہے۔

دیکھتا کیا ہوں کہ اس نے ہاتھ میں گارا لیا اور اسے دیوار پر تھوپا اس کے بعد پتھر خود بخود آپس میں ایک دوسرے سے ملتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ”خدارسیدہ شخص ہے اور ایسے لوگوں کی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت اور مدد ہوا کرتی ہے۔“

جب اس نے شام کو واپسی کا ارادہ کیا تو میں اسے تین درہم دینے لگا، اس نے انکار کیا، صرف ایک درہم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔

لڑکے کی موت

تیسرے ہفتے کو پھر میں بازار آیا تو اس جوان کو نہ دیکھا، لوگوں سے اس کا حال پوچھا، معلوم ہوا کہ وہ تین دن سے ایک ویرانے میں بیمار پڑا ہے اور موت کے قریب ہے۔ میں نے ایک شخص کو کچھ دیا اور کہا:

”بھائی مجھے وہاں لے چلو جس جگہ وہ بیمار پڑا ہے۔“

وہ مجھے ایک ویرانے میں لے گیا، دیکھا کہ نہ وہاں گھر ہے، نہ دروازہ، نہ

مسہری، نہ کوئی سامانِ راحت، وہ جوان اسی لق ودق میدان میں بے یارومددگار بے ہوش پڑا ہے۔

میں نے جا کر سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا، میں نے دیکھا تو سر کے نیچے ایک اینٹ کا ٹکڑا رکھا ہوا ہے اور مرنے کے قریب ہو رہا ہے۔ میں نے دوبارہ سلام کیا، تو آنکھ کھولی اور مجھے پہچانا۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھا تو اس نے مجھے اس سے منع کیا اور یہ شعر پڑھے ؎

يَا صَاحِبِيْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ
فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ
وَإِذَا حَمَلْتَ إِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً
فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

ترجمہ: ”اے میرے دوست! ناز و نعمت والی زندگی سے دھوکہ نہ کھا، کیوں کہ عمر کم ہو رہی ہے اور عیش و عشرت بھی رخصت ہو رہا ہے اور جب تو قبرستان میں کوئی جنازہ لے جائے تو یہ جان کہ تجھے بھی ایک دن اسی طرح لے جایا جائے گا۔“

لڑکے کی اخیر وقت وصیت

پھر کہا: ”اے ابو عامر! جب میری روح نکل جائے تو مجھ کو غسل دینا اور میرے ان ہی کپڑوں میں کفنا دینا۔“ میں نے کہا: ”کیوں نئے کپڑوں میں تجھے نہ کفناؤں؟“

اس نے کہا: ”مردہ کی بہ نسبت زندہ زیادہ نئے کپڑوں کا محتاج ہوتا ہے۔ زندگی تو اسی حالت میں گزار دی، اب نئے کپڑے کیا کریں گے، اگر کچھ رہے گا تو نیک عمل رہے گا۔“

''یہ میری زنبیل اور تہ بند لو، یہ گورکن کو دے دینا، یہ قرآن مجید اور انگوٹھی امیرالمؤمنین ہارون رشید کے پاس پہنچا دینا، دیکھو یہ خیال رکھنا کہ تم اپنے ہاتھ سے امیرالمؤمنین کے ہاتھ میں دینا اور یہ کہنا: یہ میرے پاس تمہاری ایک امانت ہے، ایک مسافر مسکین لڑکے نے سپرد کی ہے....''

امیرالمؤمنین سے یہ بھی کہنا کہ: ''کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غفلت اور دھوکے میں آپ کی موت آجائے۔''

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کی روح نکل گئی، اس وقت میں نے جانا کہ یہ خلیفہ کا جگر گوشہ ہے۔ میں نے اس کی سب وصیتوں کو پورا کیا۔

خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں حاضری

ابو عامر رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید اور انگوٹھی لے کر بغداد آئے اور خلیفہ ہارون رشید کے محل کے قریب پہنچ کر ایک بلند مقام پر جا کر کھڑے ہوئے، دیکھا تو ایک عظیم الشان لشکر آرہا ہے، اس میں اندازاً ایک ہزار سوار ہوں گے، پھر اس کے بعد نو قافلے گزرے اور ہر قافلے میں ہزار ہزار سوار تھے۔ ابو عامر کہتے ہیں: دسویں قافلے میں امیرالمؤمنین خلیفہ ہارون رشید تھے، میں نے پکار کر کہا: آپ کو قرابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے ذرا ٹھہریئے! جب امیرالمؤمنین نے میری آواز سنی تو مجھ کو دیکھا اور ٹھہر گئے۔

میں نے قریب جا کر وہ قرآن مجید اور انگوٹھی سپرد کی اور جو کچھ اس لڑکے نے پیغام کہا تھا سب پہنچا دیا۔ امیرالمؤمنین نے یہ سن کر کچھ دیر سر جھکایا اور آنسو بہائے اور ایک دربان کو اشارے سے بلا کر کہا: ''اس شخص کو اپنے ساتھ رکھو، جب میں طلب کروں اس وقت میرے پاس لانا۔''

جب ہارون رشید محل میں واپس آئے دربان سے کہا: ''اس شخص کو لاؤ اگرچہ وہ میرے غم کو تازہ ہی کرے گا۔'' دربان نے مجھ سے آکر کہا: ''اے ابو عامر! امیر

المؤمنین بہت غم زدہ ہیں، اگر تمہارا ارادہ زیادہ بات کہنے کا ہو تو بجائے دس کے پانچ کرنا۔“میں نے کہا:”اچھا۔“

یہ کہہ کر میں اندر گیا تو امیر المؤمنین نے کہا:”اے ابو عامر! قریب آ بیٹھو۔“ میں قریب ہو کر بیٹھا۔ انہوں نے پوچھا:”تم میرے لڑکے کو جانتے تھے، وہ کیا کام کرتا تھا؟“

میں نے کہا:”گارے مٹی کے کام میں لگا رہتا تھا۔“ پھر پوچھا:
”کیا تم نے بھی اس سے کام لیا ہے؟“

میں نے کہا:”ہاں لیا ہے“ کہا:”تم کو اس سے ایسا کام لیتے ہوئے شرم نہ آئی، قرابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تم نے پاس نہ کیا۔“

میں نے کہا:”امیر المؤمنین! میں اس غلطی پر پہلے اللہ تعالیٰ سے معذرت طلب کرتا ہوں اور پھر آپ سے عذر خواہ ہوں کہ میں اس سے واقف نہ تھا، اس کی وفات کے وقت ان کے متعلق مجھے معلوم ہوا۔

پھر پوچھا:”کیا تم نے اسے اپنے ہاتھ سے غسل دیا ہے؟“
میں نے عرض کیا:”ہاں! خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا ہے۔“

کہا:”ذرا ہاتھ لاؤ!“ اور میرا ہاتھ لے کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور آنسوؤں کی ندیاں بہائیں اور کہا:”تم نے کس طرح اس مسافر بے کس، بے بس، سرمایہ حیات کو غسل و کفن دیا، تمہارے دل نے کیسے اس پر مٹی دینا گوارا کیا“ یہ کہہ کر پھر بہت سے درد ناک اشعار پڑھے اور بصرہ جانے کی تیاری کی۔

اس کے بعد امیر المؤمنین مجھے لے کر بصرہ تشریف لے گئے اور اپنے لڑکے کی قبر پر آئے، جب قبر کو دیکھا تو بے ہوش ہو گئے، ہوش میں آنے پر چند غم زدہ اشعار پڑھے۔

ابو عامر کہتے ہیں: اس رات جب میں اپنے وظائف سے فارغ ہو کر سویا تو خواب میں دیکھا، وہ لڑکا مجھ سے کہہ رہا ہے:”اے ابو عامر! حق تعالیٰ تم کو جزائے

خیر دے، تم نے خوب میری وصیتوں کو پورا کیا۔“

میں نے پوچھا: ”بیٹا! (تم پر کیا گزری) اور تمہارا اٹھکانا کہاں ہوا؟“

کہا: ”اپنے پروردگار رحیم و کریم کے پاس ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہے، مجھے ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی کے دل پر ان کا خیال تک گزرا اور حق تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے: ”جو بندہ دنیا کی نجاستوں سے ایسا نکل آئے گا جیسا کہ تو نکلا ہے تو اسے ایسی ہی نعمتیں دوں گا جیسی تجھے دی ہیں۔“

اس کے بعد جو میری آنکھ کھلی تو دل میں اس کی باتوں اور بشارت سے ایک خوشی و سرور پایا۔(۱)

فائدہ: غور فرمائیں! دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ایک دن کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس ایک دن زندگی کے لطف کو ہم زندگی کا سب سے بڑا لطف خیال کر بیٹھے ہیں، اگر کوئی ہم سے کہے: ایک دن کی بادشاہت لے لو باقی تمام زندگی فقیری میں گزارنا ہوگی تو کیا ہم ایک دن کی بادشاہت لینا پسند کریں گے؟

لیکن اگر کوئی ہم سے کہے: ایک دن کی زندگی فقیری میں گزار لو باقی تمام زندگی کی بادشاہت تمہیں مل سکتی ہے تو ہر کوئی ایسا کرنا پسند کرے گا، آخرت کا سودا بھی ایسا ہی ہے، لیکن ایسا تبھی ممکن ہے جب ہم اپنی اس ایک دن کی زندگی کے لطف کو آخرت کی زندگی پر قربان کر دیں گے۔

دنیا میں اچھے گھر میں رہنا، اچھے بستر پر سونا، اچھی گاڑی میں سواری کرنا گناہ نہیں ہے، امتحان تو ہے ہی اس بات کا کہ بندہ ان نعمتوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہ بھولے تاہم چوں کہ یہ امتحان بہت سخت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے ان راحت و آرام کے سامان سے بھی بچتے ہیں۔

---

(۱) قصص الانبیاء: ۱۱۸ تا ۱۲٤

دین دار شہزادہ

ایک بادشاہ کے چار بیٹے تھے۔ چاروں شہزادے نہایت عقل مند تھے۔ ایک دن بادشاہ سلامت نے شیشے میں کنگھی کرتے ہوئے بالوں کو دیکھا، تو ان بالوں میں سے ایک بال سفید تھا۔ تب بادشاہ نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور کہا:

"اس زندگی کا کیا بھروسہ کہ آج مروں اور کل دوسرا دن نصیب نہ ہو، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تخت و تاج تم میں سے کسی ایک کے حوالے کر دوں، تاکہ مرنے کے بعد تم لوگ آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ میں تم لوگوں سے ایک چھوٹا سا امتحان لوں گا، جو اس میں کام یاب ہو گا، تخت و تاج اسی کو ملے گا، وہ امتحان یہ ہے کہ میں تم میں سے ہر ایک سے تین سوالات پوچھوں گا۔"

اس کے بعد بادشاہ نے کہا: "تم لوگ اس تخت و تاج کا مالک کسے سمجھتے ہو؟"

تینوں شہزادوں نے کہا: "ابا جان! آپ ہی کو ہم تخت و تاج کا مالک سمجھتے ہیں۔"

چھوٹے شہزادے نے کہا: "ابا جان! اس تخت و تاج کے مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھیں۔"

یہ سن کر بادشاہ نے کہا: "تم مرنے کے بعد کس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرو گے؟"

تینوں بڑے شہزادوں نے کہا:

"ابا جان! ہم آپ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں گے۔"

چھوٹے شہزادے نے کہا:

"ابا جان! میں آپ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کروں گا اور ان کے احکامات پر چلوں گا۔"

بادشاہ نے آخری سوال کیا: "میں تم لوگوں کو ایک انگوٹھی دوں گا، جس میں

ایک قیمتی نگ جڑا ہو گا، تم لوگ یہ قیمتی انگوٹھی کہاں چھپا کر رکھو گے؟"

سب سے بڑے شہزادے نے کہا: "میں یہ انگوٹھی باغ میں موجود خفیہ جگہ رکھوں گا، جہاں وہ کسی کو نظر نہیں آئے گی۔"

منجھلے شہزادے نے کہا: "میں نے اپنے مکان میں ایک خفیہ جگہ بنا رکھی ہے، میں انگوٹھی اس جگہ رکھوں گا جہاں وہ کسی کو نظر نہیں آئے گی۔"

اس کے بعد تیسرے شہزادے نے کہا: "میں اس انگوٹھی کو خفیہ کونے میں رکھوں گا، وہ میرے علاوہ کسی کو نظر نہیں آسکے گی۔"

اب چھوٹے شہزادے نے کہا: "ابا جان! میں نے پوری دنیا میں نظر دوڑائی، لیکن مجھے کوئی بھی ایسی جگہ نظر نہیں آئی جہاں اللہ تعالیٰ موجود نہ ہوں، جب اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، تو میں کوئی چیز بھی کسی ایسی جگہ چھپا کر کیسے رکھ سکتا ہوں کہ اسے نظر نہ آئے؟"

بادشاہ چھوٹے شہزادے کے جوابات سے بہت خوش ہوا اور تخت اس کے حوالے کر دیا۔[1]

فائدہ: ان واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ والدین کی نظر میں دین دار اولاد کی اہمیت بہت زیادہ ہونی چاہیے، اس لیے کہ اگر اولاد دین دار ہو گی تو:

① اپنے والدین کی خدمت اور ان کا ادب و احترام کر کے ان کو خوش رکھنے کی بہت کوشش کرے گی۔

② والدین کو ناراض کرنے سے ڈرے گی۔

③ دوسروں کے بھی کام آئے گی۔

④ والدین کی وفات کے بعد اُن کے لیے دعائیں کرے گی۔

⑤ نیک کام کرے گی جن سے والدین کی روح خوش ہو گی۔

(۱) بشکریہ بچوں کا اسلام، شمارہ نمبر ۲۵، ۷ شوال ۱۴۲۳ھ

دوسری صفت: علم

علم حاصل کرنا مثالی اولاد کے لیے ضروری ہے، اس لیے کہ علم کے ذریعے تو وہ اپنے پروردگار کو معبودِ حقیقی سمجھے گا، علم ہی کی وجہ سے آدابِ نبوت کو بجالائے گا اور اسی کی روشنی میں اپنے اساتذہ اور والدین کے رتبے کو پہچانے گا۔

آئیے! دیکھتے ہیں کہ علم کے بارے میں اسلام ہمیں کیا تعلیم دیتا ہے؟

علم کی اہمیت

علم انسان کی ترقی و عظمت کے لیے بنیاد ہے، اسلامی تعلیمات میں علم کو انسان کے لیے ہر میدان میں ضروری قرار دیا گیا اور اس کے حصول کو دینی و دنیوی ترقی و کامیابی کا زینہ بتایا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰي كُلِّ مُسْلِمٍ"(۱)

ترجمہ: "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

اس حدیث سے علم کی اہمیت و عظمت اور اس کی ضرورت واضح ہوتی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے اس لیے کہ انسان جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ بغیر علم کے پورا نہیں ہوتا، انسان بغیر علم کے نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانتا ہے اور نہ اسے اپنی حقیقت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا ذیل میں چند روایات بمع فضائل ذکر کی جاتی ہیں، تاکہ ہمارے اندر علم کے طلب کرنے کا شوق پیدا ہو جائے۔

علم سیکھنے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱) الجامع لشعب الايمان للبيهقي، باب في طلب العلم: ۳/۱۹۵، الرقم: ۱۵٤٥

وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا إِلَي الْجَنَّةِ" (۱)

ترجمہ: "جو شخص علم سیکھنے کے لیے چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان فرمادیتے ہیں۔"

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰي يَرْجِعَ."

"جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لیے نکلا تو وہ جب تک (گھر) واپس نہ آجائے وہ اللہ کے راستے میں ہے۔" (۲)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ، عزیز و اقارب کو چھوڑ کر، اپنے گھر بار کی تمام راحتیں ترک کر کے علمِ دین حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن، شہر سے نکلتا ہے تو وہ طالب علم مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبے کا ہو جاتا ہے یعنی جو ثواب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کو ملتا ہے، وہی ثواب اس علم حاصل کرنے والے کو بھی ملتا ہے۔

علم ہر حال میں مفید ہے

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"يَا أَبَا ذَرّ لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ اٰيَةً مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةً وَ لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِهٖ أَوْ لَمْ يُعْمَلْ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تُصَلِّيَ أَلْفَ رَكْعَةٍ." (۳)

(۱) جامع الترمذي، العلم، باب فضل طالب العلم، الرقم: ٢٦٤٦

(۲) جامع الترمذي، العلم، باب فضل طالب العلم، الرقم: ٢٦٤٧

(۳) سنن ابن ماجة، المقدمة، فضل من تعلم القرآن، الرقم: ٢١٩

”اے ابوذر! اگر تم کہیں جا کر قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لو، یہ تمہارے لیے سو رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم کہیں جا کر ایک مضمون علم (دین) کا سیکھ لو، خواہ اس پر عمل ہو یا عمل نہ ہو، یہ تمہارے لیے ہزار رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے۔“

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے علمِ دین حاصل کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ثابت ہوتی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض لوگ جو کہہ دیتے ہیں کہ جب عمل نہ ہو سکے تو پوچھنے اور علم سیکھنے سے کیا فائدہ، یہ غلطی ہے۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ خواہ عمل ہو یا نہ ہو، دونوں حالتوں میں یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

اس کی تین وجوہات ہیں:

(الف) جب دین کی بات معلوم ہوگئی تو گم راہی سے بچ گئے یہ بھی بری دولت ہے۔

(ب) جب دین کی بات معلوم ہوگئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی تو عمل کی بھی توفیق ہو جائے گی۔

(ج) جو دین کی بات معلوم ہوئی، کسی اور کو بھی بتادے تو یہ بھی ثواب کا ذریعہ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ یَّتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ یُعَلِّمُهٗ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ.“(۱)

”سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان کوئی علم سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھادے۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی جو بات معلوم ہوا کرے وہ دوسرے بھائی مسلمانوں کو بھی بتادیا جائے، اس کا ثواب تمام صدقہ خیرات سے زیادہ ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ زرا سی زبان ہلانے پر ہزاروں روپیہ

(۱) ابن ماجة، المقدمة، ثواب معلم، رقم: ۲۳۹

خیرات کرنے سے بھی زیادہ ثواب مل جاتا ہے۔[۱]

علم کا فائدہ لازوال ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ إِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْا لَهُ.''

''آدمی کے مرنے پر اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، البتہ تین اعمال ایسے ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

① صدقہ جاریہ (جس سے لوگ نفع اٹھا رہے ہوں)۔

② علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچ رہا ہو۔

③ نیک وسعادت مند اولاد جو اس کے لیے دعا گو رہے۔''[۲]

فائدہ: کچھ اعمال ایسے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً: نماز روزہ وغیرہ یہ ایسے اعمال ہیں کہ ان کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ جاری نہیں رہتا۔

لیکن بعض اعمال ایسے ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ زندگی میں جاری رہتا ہے، بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی وجاری رہتا ہے، ان میں سے ایک علم ہے یعنی جو دنیا میں علم سیکھ کر دوسروں کو سکھاتا رہا اور اس کے علم سے دوسرے لوگ نفع اٹھاتے رہے تو یہ زندگی کے ختم ہونے کے بعد اس کے لیے سرمایۂ سعادت ثابت ہو گا اور اس کا ثوب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔

---

(۱) حیاۃ المسلمین، دوسری روح: ۳۳

(۲) صحیح مسلم، الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب......، الرقم: ۱۶۳۱

والدین کی اپنی اولاد کو علم حاصل کرنے کی نصیحت

یہ حقیقت ہے کہ اچھی تربیت اور بہترین تعلیم ہی وہ بنیادیں ہیں جن کو مضبوط کرنے کے بعد ایک ذمہ دار باپ اپنی اولاد کو "مثالی اولاد" کے روپ میں دیکھنے کا خواب دیکھنے کا حق دار بن سکتا ہے۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَا نَحِلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ."(۱)

"کوئی والد اپنی اولاد کو اچھے ادب (وعلم) سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں دیتا۔"

اسی حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے ماضی و حال کے تمام سمجھ دار والدین اپنی اولاد کو اچھی تعلیم کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

ذیل میں اس سلسلے کی چند روشن مثالیں ذکر کی جارہی ہیں تاکہ "مثالی اولاد" بننے کی خواہش رکھنے والے بچے ان نصائح کو مظبوطی سے تھام لیں۔

حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا بُنَيَّ تَعَلَّمُوا فَإِنَّكُمْ إِنْ تَكُونُوا صِغَارَ قَوْمٍ عَسٰي أَنْ تَكُونُوا كِبَارَهُمْ وَاسَوْ أَتَاهُ مَاذَا أَقْبَحَ مِنْ شَيْخٍ جَاهِلٍ."(۲)

ترجمہ: "بیٹا! علم سیکھو، اس لیے کہ علم کی برکت سے تم قوم میں ادنیٰ سے اعلیٰ حیثیت کے مالک بن جاؤ گے۔ کیا ہی برا شخص ہے وہ جس کی پوری عمر جہالت میں گزری! (یعنی یہ بہت ہی برا ہے کہ انسان کی پوری عمر جہالت ہی میں گزرے)۔"

ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) جامع ترمذي، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في ادب الولد، رقم: ۱۸۷۵

(۲) صفة الصفوة، عروة بن الزبير بن العوام: ۲/۶۱

"يَا بُنَيَّ خَصْلَتَانِ يَسُوْدُ بِهِمَا الْمَرْءُ وَ إِنْ كَانَ غَيْرَ ذِيْ مَالٍ اَلْعِلْمُ وَالْأَدَبُ"

ترجمہ: "اے میرے پیارے بیٹے! دو صفات ایسی ہیں کہ اس کو اختیار کر کے آدمی سردار بن جاتا ہے! اگرچہ اس کے پاس مال وغیرہ کچھ نہ ہو۔ (۱) علم (۲) ادب۔"

پھر فرمایا:

"جَالِسِ الْكُبَرَاءَ وَنَاطِقِ الْعُلَمَاءَ فَإِنَّ مُوَاخَاتَهُمْ كَرِيْمَةٌ وَمُجَالَسَتَهُمْ غَنِيْمَةٌ وَمَحَبَّتَهُمْ سَلِيْمَةٌ"(۱)

ترجمہ: "اے بیٹا! بڑی عمر والوں کی مجلس میں بیٹھا کرو اور علما سے گفتگو کرتے رہو اس لیے کہ ان سے بھائی چارگی میں عزت ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنا غنیمت ہے اور ان کی محبت دنیا کی لالچ سے پاک ہے۔"

اسی طرح حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا بُنَيَّ إِبْتَغِ الْعِلْمَ صَغِيْرًا فَإِنَّ إِبْتِغَاءَ الْعِلْمِ يَشُقُّ عَلَي الْكَبِيْرِ."

"کہ بیٹے کم عمری میں علم حاصل کرو کیوں کہ بڑی عمر میں علم حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"(۲)

ان احادیث اور والدین کی نصائح سے واضح ہوتا ہے کہ علم کتنی بڑی دولت ہے، اس کو حاصل کرنے کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔

ذیل میں ایسے قابلِ قدر حضرات کے واقعات ذکر کیے جاتے ہیں کہ جنھوں نے بچپن میں علم کو دنیا اور اس کے مال و متاع پر ترجیح دیتے ہوئے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر نعمت سے ان کو نوازا۔

---

(۱) سفينة الفرج: ۵۲۹

(۲) جامع بيان العلم، باب فضل التعلم في الصغر: ۱/۱۰۴

علم کس نیت سے حاصل کیا جائے

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ بچپن میں عام طالبِ علم ہی تھے، لیکن ان کو اتنا بڑا مرتبہ اخلاص (یعنی ہر کام کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کرنے) کی برکت سے حاصل ہوا، ان کی طالبِ علمی کے زمانے میں اخلاص کا ایک اہم واقعہ یہ ہے۔

نظام الملک ایک وزیر تھا اور بہت دین دار بھی تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ایک مدرسہ بناؤں تاکہ تعلیم عام ہو۔ اس مقصد کے لیے اس نے لاکھوں روپیہ اپنی طرف سے خرچ کر کے ایک بہت بڑی عمارت بنائی اور اس وقت کے بہت بڑے محدث، فقیہ، اللہ والے اور عارف، عالم شیخ تقی الدین ابن دقیق رحمہ اللہ تعالیٰ کو صدر مدرس بنایا اور بڑے بڑے علما کو مدرس مقرر کیا، طلبہ آنے لگے اور پڑھائی شروع ہو گئی۔

ایک مرتبہ نظام الملک کے کانوں میں یہ خبر پہنچی، کہ عام طور سے طلبہ کی نیتیں خراب ہیں اور وہ دینی علم کو دنیا کمانے کے لیے حاصل کر رہے ہیں، جس کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ:

"مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَتَعَلَّمُهٗ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ."(۱)

"جو شخص ایسے علم کو دنیاوی مال و متاع کے حصول کے لیے پڑھے جس علم سے اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کی جاتی ہے، وہ شخص جنت کی خوش بو بھی نہ پائے گا۔"

تو اس نے مدرسہ ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے خیال کیا کہ ممکن ہے یہ خبریں غلط ہوں، بہتر یہ ہے کہ میں خود بھی تحقیق کر لوں۔

ایک دن اس نے عام لباس پہن کر مدرسے میں گھومنا شروع کیا۔ سینکڑوں طلبہ مطالعہ اور تکرار میں مصروف تھے۔ نظام الملک نے طلبہ سے دریافت کرنا شروع

---

(۱) سنن ابوداؤد، العلم، باب في طلب العلم لغير الله، الرقم: ٣٦٦٦

کیا کہ تم علم کیوں حاصل کرتے ہو؟

ایک طالبِ علم کا کہنا تھا: ”میں اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ میں وزارت کے عہدے پر پہنچ جاؤں“ دوسرے نے کہا: ”میں قاضی کا عہدہ حاصل کرنے کے لیے پڑھ رہا ہوں“ تیسرے نے کہا: ”میرا مقصد شہرت حاصل کرنا ہے۔“

غرض عام طور پر طلبہ نے جو مقاصد بیان کیے وہ فاسد ہی تھے، یہ سن کر نظام الملک نے ارادہ کر لیا کہ اب میں مدرسہ ختم کر دوں گا۔ میں تو لاکھوں روپے صرف کروں اور نیتیں خراب ہوں تو علم میں بھی برکت نہیں ہو گی اور ایسا علم سے مخلوق کو فائدہ کے بجائے نقصان ہی ہو گا، پھر اچانک ایک طالبِ علم کو دیکھا، کہ ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کے سامنے مطالعے میں مصروف ہے، نظام الملک نے اس سے پوچھا: ”تم کس لیے پڑھ رہے ہو؟“

اس طالبِ علم نے نگاہ تک اٹھا کر نہیں دیکھا، وزیر نے پھر کہا: ”بھائی! ایک آدمی آپ کے پاس کھڑا ہے اور کچھ پوچھنا چاہتا ہے؟“

اس پر اس طالبِ علم کہنے لگا: ”جناب! میں نے علم حاصل کرنے اور مفید کتابوں کے مطالعہ کی خاطر اپنا گھر بار تک چھوڑا، مجھے اتنی فرصت کہاں کہ میں آپ سے گفتگو کروں؟“

یہ سن کر نظام الملک کے دل میں اس کی بڑی عزت پیدا ہوئی اور کہا:

”میں آپ سے مختصر سوال کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آپ اتنی محنت کیوں کر رہے ہیں؟“

طالبِ علم نے جواب دیا: ”مجھے اپنے بڑوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہمارا کوئی خالق اور رب ہے جس نے زندگی بغیر کسی محنت اور قیمت کے عطا کر دی اور جس نے زندہ رہنے کے سامان مہیا کیے ہیں، ہر آن اس کے احسانات ہیں اور وہ بے شمار ہیں، اس لیے ہم پر شکر گزاری واجب ہے اور احسانات کا ماننا بھی ضروری ہے، میں اس لیے پڑھ رہا ہوں، تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احسان اور شکریہ کا حق

کس طرح ادا کروں۔"

وزیر نے اس طالبِ علم کی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس مدرسے کو ختم کر دوں گا، اس لیے کہ عام طور پر طلبہ کے مقاصد غلط ہیں، ایک آپ ہیں کہ جس سے دل خوش ہوا کہ آپ آخرت کے لیے پڑھ رہے ہیں دنیا کے لیے نہیں، اس لیے اب میں مدرسے کو جاری رکھوں گا۔"[1]

فائدہ: یہ طالبِ علم امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جن کے اخلاص کو اللہ تعالیٰ نے ایک مدرسہ بچانے کا ذریعہ بنا دیا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملا:

① جو بھی دین کا کام کریں وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، کسی دنیوی غرض، ریا اور نمائش کے لیے نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کے لیے ہو اس کے حکموں کے مطابق ہو اسی کا نام اخلاص ہے۔

② جو لوگ اللہ کو راضی کرنے کی نیت کر کے سچی طلب اور لگن کے ساتھ علم کے حصول میں لگ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی ضرور مدد کرتے ہیں، بلکہ ان کے اخلاص کی برکت سے اُن کے ساتھیوں کو بھی وسائلِ علم عطا فرماتے ہیں۔ اس واقعہ میں امام غزالی کے اخلاص کی برکت سے اللہ کی رحمت نازل ہوئی اور نہ جانے کتنے طالب علموں کے لیے طویل عرصہ تک حصولِ علم کا زریعہ باقی رہ گیا۔

③ ہمیں اپنے کسی ہم جماعت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، نا معلوم کس کی دین داری اور نیک نیتی ہمارے علمی سفر کے جاری رہنے کا سبب ہو۔ حدیث میں ہے: "فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ."[2] "بے شک کم زوروں کی برکت سے ہی رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔"

سمجھ دار بیٹا

حضرت سلطان بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ولی اللہ گزرے ہیں، آپ بچپن

---

(۱) با ادب بانصیب: ۱۰۶ تا ۱۰۸

(۲) سنن ابي داؤد، الجهاد، باب الانتصار، رقم: ۲۲۲۷

میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ اُن کی والدہ نے ان کو مدرسے میں داخل کرایا اور قاری صاحب سے کہا: ”اس کو بار بار گھر نہ آنے دیے گا، ایسا نہ ہو کہ گھر میں آنے جانے کی وجہ سے اس کا دل مدرسے سے ہٹ جائے۔“ قاری صاحب نے ان کو کئی دن مدرسے میں رکھا۔

بچے نے ایک دن قاری صاحب سے کہا: ”میرا گھر جانے کو جی چاہتا ہے، قاری صاحب نے بہت سارا سبق ذمے لگا دیا اور یاد کر لینے پر اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر آئے اور دروازے پر دستک دی۔ اس وقت ان کی والدہ وضو کر رہی تھیں۔ وہ دستک سے پہچان گئیں کہ بیٹا دروازے پر ہے، مگر پھر سوچنے لگیں کہ اگر آج دروازہ کھول کر اسے گھر میں داخل ہونے دیا، تو بچے کو گھر آنے کی عادت پڑ جائے گی اور مدرسے نہیں جایا کرے گا۔

دروازے کے قریب آکر کھڑی ہوئیں اور پوچھا: ”دروازہ کس نے کھٹکھٹایا ہے؟“

جواب ملا: ”بایزید نے۔“

والدہ فرمانے لگیں: ”ایک میرا بھی بایزید تھا جسے میں نے اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا ہے، تو کون سا بایزید ہے جو میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے؟“

بچہ سمجھ دار تھا، جان گیا کہ والدہ چاہتی ہیں کہ میں دین کا علم حاصل کروں، لہٰذا واپس لوٹ کر مدرسے میں آگیا اور پھر مدرسے سے اس وقت نکلا جب عالم فاضل بن چکا تھا۔[1]

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

① ماؤں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو علمِ دین حاصل کرنے کے لیے فارغ کر دیں اُن کی بے جا حمایت کر کے ان کی پڑھائی متاثر نہ کریں۔

---

(۱) خواتین اسلام کے کارنامے: ۳۰ تا ۳۱

(۲) اولاد کو اتنا سمجھ دار ہونا چاہیے کہ ماں کی اشارے میں کہی ہوئی باتوں کو بھی سمجھ لے اور انہیں پورا کر کے ان کے دل خوش کریں۔

طالبِ علمی میں اطاعتِ والدین

حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے طالبِ علمی کا پورا زمانہ عسرت اور تنگ دستی میں بسر کیا۔

ایک روز آپ گرمی کی دوپہر میں دارالعلوم کے اسباق سے تھک تھکا کر چھٹی کے وقت گھر پہنچے، تو والدہ نے روتے ہوئے اپنے لائق فرزند سے کہا:

"بیٹا! آج تو گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے، البتہ ہماری زمین میں گندم کی فصل تیار کھڑی ہے، اگر تم اس گندم کو کاٹ لاؤ تو میں اس کو صاف کر کے آٹا پیس کر روٹی پکادوں گی۔"

سعادت مند بیٹا محنت اور بھوک سے نڈھال، اسی گرمی کی دوپہر میں اپنی زمین کی طرف چل دیا اور وہاں سے جس قدر بوجھ اٹھا سکتا تھا اتنی گندم کاٹ کر لے آیا، والدہ نے اسے کوٹ چھان پیس کر آٹا بنایا اور روٹی پکائی، اس طرح ظہر کے وقت تک بھوک کا کچھ سامان ہوا، ظہر کے بعد اپنے اسباق کے لیے چلے گئے۔

ماں باپ اور بیٹے نے اسی فقر و فاقہ میں وقت گزارا، مگر تعلیم میں فرق نہ آنے دیا۔[1]

تعلیمِ قرآن کی فضیلت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ"[2]

(۱) بڑوں کا بچپن: ص ۱۳۶

(۲) صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خير كم من تعلّم القرآن ......، الرقم: ۵۰۲۷

ترجمہ: ''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے۔''

فائدہ: کلام پاک چوں کہ دین کی اصل ہے، اس کی بقا و اشاعت پر ہی دین کا مدار ہے، اس لیے اس کے سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت ظاہر ہے۔

''جو لوگ قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے، اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو بچپن میں قرآن کریم سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔''(۱)

حضرت معاذ الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص قرآن کریم پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہو گی، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔'' (یعنی جب حافظِ قرآن کے والدین کی یہ شان ہے تو حافظ قرآن کی شان کتنی اعلیٰ ہو گی) (۲)

فائدہ: دیکھیے! کتنی بڑی فضیلت اور سعادت ہے کہ آپ کی تھوڑی سی لگن اور محنت کی وجہ سے کتنا بڑا اجر و ثواب اللہ جل شانہ عطا فرما رہے ہیں کہ آپ کے قرآن کریم حفظ کرنے پر قیامت کے دن جب سارے اوّلین و آخرین جمع ہوں گے تو آپ کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج سے بھی زیادہ ہو گی۔

یہ کتنی بڑی عزت کی بات ہے کہ آپ کی وجہ سے کل قیامت کے دن آپ کے والدین کا نام روشن ہو اور دنیا میں بھی لوگ ایسے بچوں کے والدین کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان پر رشک کرتے ہیں، لہٰذا آپ ہمت کیجیے اور حفظ قرآن شروع

(۱) فضائل اعمال: ۲۱۲

(۲) سنن ابی داؤد، الوتر، باب في ثواب قراءة القران، الرقم: ۱۴۵۳

کر دیجیے، اگر آپ روزانہ کی دس آیات یاد کر لیں تو آپ پورا قرآن اِنْ شَاءَ اللّٰہ (ہر قمری مہینہ ۳۰ دن کے حساب سے) ایک سال، دس مہینے، سات دن، میں حفظ کر کے دنیا و آخرت کا شرف و انعام حاصل کر سکتے ہیں۔

حدیث میں ہے:

"حافظِ قرآن کے بارے میں خود قرآن کریم سفارش کرے گا: اے رب! اس کو لباس عطا فرمایئے! تو اللہ تبارک و تعالیٰ حافظِ قرآن کو عزت کا تاج پہنائیں گے پھر وہ مزید کرم کی درخواست کرے گا تو عزت کا پورا لباس پہنایا جائے گا۔ پھر قرآن مقدس عرض کرے گا: آپ اس سے راضی ہو جایئے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا تمغہ عطا فرمائیں گے اور ارشاد فرمائے گے: قرآن پڑھتے جاؤ، جنت کے درجوں پر چڑھتے چلے جاؤ، اور ہر آیت پڑھنے پر تمہاری نیکیاں بڑھتی جائیں گی۔"[1]

اتنے بڑے شرف و مرتبہ کے لیے فانی زندگی کا تھوڑا سا حصہ خرچ ہو جائے تو کتنا سستا سودا ہے۔

حفظِ قرآن کے ذریعے والدین کی دنیا و آخرت سنواریں

۸۶۳ء سے ۹۱۹ء تک گجرات میں محمود بیگڑے کی حکومت رہی، اس کا دورِ حکومت گجرات میں علوم و فنون کی ترقی کا دور ثابت ہوا۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں کئی علما (ان کی مجلس میں) بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک عالم نے کہا: "قیامت کے دن سب لوگ پریشان ہوں گے، لیکن جو قرآن کا حافظ ہو گا، اس کے والدین پریشانی سے بچ جائیں گے۔"

بادشاہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا: "افسوس! ہمارے بیٹوں میں کوئی بھی حافظ نہیں ہے، ورنہ ہم بھی قیامت کے دن پریشانی سے بچ جاتے۔"

اس مجلس میں بادشاہ کا بیٹا خلیل خان بھی تھا، اس کے دل پر اپنے والد کی اس

---

(۱) جامع ترمذي، فضائل القرآن، فیمن قرء......، رقم: ۲۸۳۹

حسرت بھری بات کا بڑا اثر ہوا، خلیل خان کی عمر بھی زیادہ تھی، بہت بڑے کاروبار کی نگرانی بھی اس کے ذمہ تھی، لیکن اس نے دن رات محنت کی، فارغ وقت میں پڑھتا رہا، راتوں کو جاگ جاگ کر آنکھیں سرخ ہو گئیں، لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔

اس نے ایک سال اور چند مہینے میں پورا قرآن حفظ کر لیا پھر رمضان میں والد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''اس سال تراویح میں قرآن میں سناؤں گا۔'' بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ ''تم کب سے حافظ ہو گئے ؟''

خلیل خان نے کہا: ''جب آپ نے علما کرام کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش ہمارا بیٹا بھی حافظ ہوتا تو ہم بھی قیامت کی پریشانی سے بچ جاتے، بس اسی دن میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں حافظ بن کر رہوں گا، میں نے دن رات محنت کی اور اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے مجھے حافظ بنا دیا، آپ کو خوش خبری ہو کہ آپ بھی ایک حافظ کے باپ ہیں۔''

محمود خان نے بیٹے کو مصلے پر کھڑا کیا، خلیل خان کو قرآن اتنا پختہ یاد تھا کہ ہر روز تراویح میں پورا قرآن ختم کر دیتا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا، اس نے کہا: ''بیٹے! میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں اور تمہیں کیا انعام دوں ؟''

پھر اس نے خلیل خان کا ہاتھ پکڑا اور اسے تخت پر بٹھا کر بادشاہ بنا دیا اور خود نیچے جا کر بیٹھ گیا۔(۱)

فائدہ: خلیل خان کی زندگی میں ہمارے لیے عبرت اور نصیحت کے کئی پہلو ہیں،...... وہ شہزادہ تھا...... ناز و نعم میں پلا ہوا...... فارغ بھی نہیں تھا، بلکہ ایک بڑی جاگیر اور علاقے کی ذمہ داری اس کے سر تھی...... قرآن کریم کا حفظ کرنا اس کی مجبوری بھی نہیں تھی...... صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے والد کے شوق اور حسرت کو پورا کرنے کے لیے اس نے حفظِ قرآن کا عزم کر لیا اور پھر اس عزم کو پورا کر کے ہی چھوڑا اور وہ بھی بہت مختصر مدت میں......

(۱) عشاق قرآن کے ایمان افروز واقعات: ۱۲۶

مثالی اولاد ایسی ہی ہوتی ہے یعنی وہ ایسا ہی عمل کرتی ہے جس سے والدین کو دنیا میں بھی عزت ملے اور آخرت میں بھی سرخ رو ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے والدین کو دنیاو آخرت میں نیک عمل سے عزت بخشنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین

بچے کے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے پر والد کی مغفرت

حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک قبر پر سے گزر ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں۔ آپ آگے تشریف لے گئے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر جب دوبارہ آپ کا گزر اس قبر سے ہوا، تو آپ نے دیکھا کہ اس قبر پر رحمت کے فرشتے جمع ہیں اور ان کے پاس نور کے برتن ہیں۔

آپ کو اس پر تعجب ہوا آپ نے نماز پڑھی اور اس واقعے کی حقیقت معلوم ہو جانے کے لیے اللہ سے دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی، فرمایا: ''اے عیسیٰ! یہ بندہ گناہ گار تھا، جب سے مرا تھا عذاب میں گرفتار تھا، یہ مرتے وقت اپنی بیوی چھوڑ گیا تھا، اس عورت نے اس کے بیٹے کو جنم دیا اور اس کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ پڑھنے کے قابل ہو گیا، عورت نے اس بچے کو مکتب میں بھیجا، استاذ نے اسے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھائی، پس مجھے اپنے بندے سے حیاء آئی کہ میں اس کو آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر جب کہ اس کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لیتا ہو۔[1]

فائدہ: اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا پڑھنا اور یاد کرنا انسان کے لیے مغفرت کا ذریعہ ہے، صرف اپنی ہی نہیں، بلکہ حافظِ قرآن کی وجہ سے اس کے

---

(۱) تفسیر کبیر: ۱/۱۴۳

خاندان کے دس افراد کی بھی مغفرت ہو جائے گی جن کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا،[۱] اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ خود بھی قرآن کریم پڑھیں اور دوسروں کو بھی اس فضیلت کی طرف دعوت دے کر مغفرت کے اسباب مہیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

تیسری صفت: اتباعِ سنت

اللہ تعالیٰ نے ہماری دنیا و آخرت کی زندگی کا دار و مدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر ہم کسی طرح کام یاب نہیں ہو سکتے۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع تمام اعمال و عبادات کی روح ہے اور والدین کی خدمت و اطاعت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب ہم اتباع سنت کے پابند ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیے نبی بنا کر بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے بہترین نمونہ و اسوہ بنیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[۲]

"تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات گرامی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ کو ہم مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنائیں، ہر قول و فعل میں آپ کا اتباع کریں ہمارا لباس، شکل و صورت، اٹھنا بیٹھنا، چلنا، غمی خوشی، غرض

(۱) جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في فضل قاري، القرآن رقم: ۲۸۳۰
(۲) الاحزاب: ۲۱

زندگی کا ہر شعبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو۔

اتباعِ سنت کی اہمیت

قرآن کریم میں جگہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا ہے اور کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (۱)

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اتباع و فرماں برداری کو ایمان کی لازمی شرط قرار دیا ہے فرمایا: ”کوئی شخص تم میں اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس (دین) کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔“ (۲)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ ارشاد فرمایا تھا:

”تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ“ (۳)

ترجمہ: ”میں (اپنے بعد) تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ ① اللہ تعالیٰ کی کتاب ② اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ۔“

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کی ہدایت کے لیے یہی دو چیزیں بھیجی

---

(۱) النساء: ۸۰

(۲) مشکوٰۃ، الإیمان، باب 'الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۳۰

(۳) صحیح البخاري، الایمن، باب حب الرسول من الایمان، الرقم: ۱۵

ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی دو چیزیں امت کی ہدایت کے لیے کافی ہیں۔

لہٰذا اگر ہم ان دو چیزوں پر عمل کرتے رہیں گے تو کبھی بھی گم راہ نہ ہوں گے۔ ان ہی دونوں کی روشنی میں ہمیں والدین کے حقوق کی صحیح ادائیگی کا طریقہ معلوم ہو گا۔

ذیل میں اتباعِ سنت کے چند فضائل ذکر کیے جاتے ہیں، تاکہ ہم اتباعِ سنت کی دولت سے سرشار ہو کر دونوں جہاں کی کام یابی حاصل کر سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت حصولِ جنت کا ذریعہ ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ اَبٰى."

ترجمہ: "میری ساری امت جنت میں جائے گی، مگر وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو گا جس نے انکار کیا۔"

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کون انکار کرنے والا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى."[۱]

ترجمہ: "جس شخص نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (گویا) انکار کیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ"[۲]

---

(۱) صحيح البخاري، الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلي الله عليه وسلم، الرقم: ۷۲۸۰

(۲) جامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في الأخذ بالسنة، الرقم: ۲۸۹٤

ترجمہ: ”جس نے میری سنت کو زندہ کیا درحقیقت وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے، اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔“

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کتنی عظیم دولت ہے، اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کریں گے اور اُن کی سنتوں کو عام کرنے کی محنت کریں گے، اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو سنتوں پر چلنے کی دعوت دیں گے، تو دنیا میں بھی کام یاب ہوں گے۔ قیامت کے دن جب سب کو اپنی اپنی فکر ہو گی تو اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو گا جو کہ ہر چیز سے افضل ہے۔

اتباعِ سنت کے اہتمام سے چار انعام

جو شخص اتباعِ سنت کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے چار انعامات سے نوازتے ہیں۔

① **دین پر استقامت:** اتباعِ سنت کے اہتمام سے اللہ تعالیٰ پہلا انعام دین پر استقامت کا عطا فرماتے ہیں اور یہ انعام وہ ہے جس کی ضرورت ہر مسلمان کو ہے۔

کیوں کہ صرف ایمان لے آنا اور اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لینا کافی نہیں، بلکہ حکم ہے استقامت اختیار کرو۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتا دیجیے جس کے بعد کسی سے کچھ اور پوچھنے کی ضرورت نہ ہو۔

”قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔“[1]

”کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر جم جاؤ۔“

دنیا میں مصائب وآلام کا آنا ایک لازمی امر ہے، خصوصاً آج کے اس پرفتن دور

(۱) صحیح مسلم، الایمان، جامع اوصاف الاسلام الرقم: ۳۸

میں جب کہ ہر طرف نئے نئے فتنے سر ابھار رہے ہیں، ہر جانب گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلتا جارہا ہے، ظاہری روشنیوں سے دنیا جگمگا رہی ہے، لیکن باطنی روشنیاں ناپید ہیں۔

ایسے دور میں فتنوں سے بچ بچا کر گزر جانا یقیناً سعادت و افتخار مندی کی واضح دلیل ہے اور یہ استقامت سے ہی ممکن ہے، اگر یہ انعامِ الٰہی ہمیں حاصل نہ ہو تو ہر دم پھسل جانے کا کھٹکا لگا رہے اور اس نعمتِ استقامت کے حصول کا ذریعہ ...... اتباعِ سنت ہی ہے۔

② **نیک لوگوں کی محبت:** دوسرا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملتا ہے کہ نیک لوگوں کی محبت نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک لوگوں کے قلوب میں اس کی محبت گھر کر جاتی ہے، نیک لوگوں کی محبت بے شک انتہائی کارآمد اور ذریعہ نجات ہے اور نیک لوگوں کی محبت سے دین اور دنیا دونوں سنورتے ہیں، یہ محبت انسان کے لیے فوز و فلاح کے راستے ہموار کرتی ہے۔

③ **اللہ کے دشمنوں پر رعب:** تیسرا انعامِ الٰہی یہ دیا جاتا ہے کہ اتباعِ سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کے دلوں پر اپنے اس بندے کا رعب بٹھا دیتے ہیں۔ شب و روز ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے چہرے پر سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نمایاں ہوتی ہے، ان کے چہروں پر ایک عجیب سا نور چمکتا نظر آتا ہے جب کہ دیگر چہرے اس نور اور رعب سے عاری نظر آتے ہیں۔

اتباعِ سنت کی برکت سے اس کا ایسا رعب ہوتا ہے کہ بڑے بڑے طاقت و قوت والوں کی نظریں ان کے چہرے پر نہیں ٹکتی۔

④ **زندگی میں برکت:** برکت وہ نعمتِ الٰہی ہے، جس کا ہر فردِ بشر خواہش مند ہے، ہر انسان چاہتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ برکت کی بارش برسائے۔

یہ برکت اسے حاصل ہوتی ہے جو اتباعِ سنت کا خوب خوب اہتمام کرتا ہے۔

اتباعِ سنت کی برکت سے اس کے تمام مشکل کام آسان سے آسان تر ہوتے چلے جاتے ہیں جس کا مشاہدہ عام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اتباعِ سنت کی دولت سے سرشار فرمائے۔ آمین[1]

اتباعِ سنت کے چند ایمان افروز واقعات

والدین کی محبت فطری تقاضا ہے اور شریعت نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے، لیکن اگر کبھی والدین کوئی ایسا عمل کرنا چاہتے ہوں جو شریعت کے مطابق نہ ہو تو پیار محبت اور ادب سے اُنہیں اس سے روکنا چاہیے تاکہ آپ ایک سعادت مند اور نیک اولاد کا کردار ادا کرسکیں۔

ذیل میں ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ کس طرح ایک بیٹے نے شریعت کے مطابق عمل نہ ہوتے ہوئے دیکھ کر اپنے والد کو ادب سے صحیح بات عرض کردی۔

سنت کا عاشق بیٹا

حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صاحب زادے سے فرمایا: ”میرے لیے ایک کپڑا تیار کردو جس کو قضائے حاجت (استنجاء) کے وقت استعمال کیا کروں، کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ مکھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں، پھر میرے کپڑوں پر آجاتی ہیں۔“

صاحب زادے نے کیا خوب فرمایا: ”والد محترم! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں کیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کپڑا رہتا تھا، جس میں قضائے حاجت بھی فرماتے تھے اور اسی میں نماز بھی پڑھتے تھے۔“

امام موصوف نے صاحب زادے کی بات کی قدر کی اور اس خیال کو چھوڑ دیا۔[2]

---

(۱) مثالی نوجوان: ۶۰

(۲) بکھرے موتی: ص ۹۲

فائدہ: اللہ جل شانہ نے اس وقت بچوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ایسا جذبہ عطا فرمایا تھا کہ ان کا کوئی کام خلافِ سنت نظر نہیں آتا تھا، بلکہ وہ تو دوسروں کے لیے بھی اتباعِ سنت کے زندہ کرنے کا ذریعہ بنتے تھے۔

چوتھی صفت: حسنِ خلق

اچھے اخلاق اختیار کرنا مثالی اولاد کے لیے خاص طور پر ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اور والدین کی محبت و مسرت کے لیے اخلاق کا اچھا ہونا سب سے اہم اور سب سے زیادہ ضروری ذریعہ ہے۔

لہٰذا اس کو حاصل کرنا، سیکھنا اور اپنے اندر پیدا کرنا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینا نہایت ضروری ہے، تاکہ جب آپ بڑے ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھیں تو اچھے اخلاق و کمالات کا مجموعہ آپ کے اندر موجود ہو۔

اخلاق کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اچھے اخلاق اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے، اس لیے کہ اخلاق کی درستگی اور اس کو اللہ جل شانہ کے احکام کے مطابق بنانا اتنا ہی ضروری اور اہم ہے جتنا کہ عبادات کو بجالانا ضروری ہے۔

اس لیے اخلاق کی درستگی اور اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانا عملی زندگی کی بنیاد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کے مقاصد میں سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ" (۱)

---

(۱) کنز العمال، کتاب الاخلاق: ۳/ ۹، الرقم: ۵۲۱٤

ترجمہ: ”میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔“

لہٰذا اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوش گواری کے ساتھ گزرے گی اور دوسروں کے لیے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے اچھے اخلاق کی اہمیت بیان فرماتے رہتے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی:

”أَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ“ (۱)

ترجمہ: ”اے معاذ! لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔“

لہٰذا ہمیں بھی اپنے والدین اور سارے لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔ ذیل میں اچھے اخلاق کے چند فضائل ذکر کرتے ہیں، تاکہ ہمارے دل میں اچھے اخلاق حاصل کرنے کا شوق ورغبت پیدا ہو جائے۔

اچھے اخلاق اختیار کرنے والے کا مرتبہ

اچھے اخلاق کا درجہ اسلام کی دو عظیم نفل عبادتوں یعنی نماز اور روزے کے درجے کے برابر رکھا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے:

”إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ“ (۲)

ترجمہ: ”بندہ اپنے اچھے اخلاق سے مسلسل روزہ رکھنے والے اور مسلسل نمازیں پڑھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔“

---

(۱) موطا للإمام مالك، الجامع، باب ما جاء في حسن الخلق: ۷۰۴

(۲) سنن ابي داؤد، الادب، باب في حسن الخلق، الرقم: ۴۷۹۸

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جس بندے کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مؤمن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسنِ خلق کی دولت بھی نصیب ہو تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ان شب بیداروں، عبادت گزاروں کا درجہ پالے گا جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔ (۱)

سب سے زیادہ محبوب

جو لوگ اخلاق اچھے کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور مسلسل محنت و دعوت کے ذریعہ اخلاقِ حسنہ کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کو اپنے سب سے زیادہ پسندیدہ بندوں میں داخل کر لیتے ہیں۔

سیّدنا اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں خاموش بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، اس دوران کچھ لوگ آئے اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ!" اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخص کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا" (۲)

ترجمہ: "جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

سب سے زیادہ قریب

اسی طرح اچھے اخلاق والے قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب لوگوں میں ہو گیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) معارف الحديث: ۱٦٧/۲

(۲) المعجم الكبير للطبراني: ۱۸۱/۱، الرقم: ٤٧١

''إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلاَقًا......''[1]

ترجمہ: ''قیامت کے دن تم میں سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔''

فائدہ: گویا اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اور اللہ کے رسول کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہونے میں اچھے اخلاق کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اچھے اخلاق کا وزن

جو اولاد اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس کو نہ صرف دنیا میں بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے، بلکہ آخرت میں بھی اس کے میزان عمل کا پلڑا جھک جاتا ہے، کیوں کہ قیامت کے دن مؤمن کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی اور چیز نہ ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بتلایا ہے:

''مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ''[2]

ترجمہ: ''قیامت کے دن مؤمن بندہ کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی اور بھاری کوئی چیز نہ ہوگی۔''

خوش اخلاق مثالی اولاد کے چند واقعات

ذیل میں چند بہترین واقعات لکھے جاتے ہیں کہ اچھے اخلاق کی حامل اولاد اپنے والدین کو تنگ نہیں کرتی بلکہ اپنے بلند اخلاق کے بدولت اُن کے لیے راحت کا ذریعہ بنتی ہے۔

---

(۱) جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في معالي الأخلاق، الرقم: ۲۰۱۸

(۲) سنن ابي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، الرقم: ٤٧٩٩

کس کا دل ٹوٹتا ہے؟

عید کے موقعے پر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بیٹے کو پرانے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ ان کے صاحب زادے نے دیکھ لیا اور ان سے پوچھا: ''اے امیر المؤمنین! آپ کو کس چیز نے رلایا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: ''میرے بیٹے! مجھے ڈر ہے کہ جب دوسرے لڑکے تمہیں ان پرانے کپڑوں میں دیکھیں گے تو اس سے تمہارا دل ٹوٹے گا۔''

اس لڑکے نے جواب دیا: ''امیر المؤمنین! دل تو اس شخص کا ٹوٹتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے یا جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو اور مجھے تو امید ہے کہ آپ کی رضا مندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے راضی ہوں گے۔'' سُبْحَانَ اللّٰہِ! یہ تھا حال امیر المؤمنین کے صاحب زادے کا۔(۱)

فائدہ: نیک بچے اپنے والدین کی رضامندی میں خوشی محسوس کرتے ہیں اس لیے اگر ہمارے والدین کے حالات اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ ہماری خواہشات پوری کریں تو ہمیں اُن کی حالت کی رعایت رکھ کر اپنی خواہشات چھوڑ دینی چاہییں۔

مجھے موبائل چاہیے

''امی ...... امی! مجھے نہیں پتا، مجھے ہر صورت میں کل تک موبائل چاہیے۔ میرے تمام دوستوں کے پاس موبائل ہیں، ایک صرف میں ہی خالی ہاتھ پھرتا ہوں۔''

طلحہ نے آج پھر سے موبائل فون کی ضد شروع کر دی تھی۔ طلحہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی امی بچپن ہی سے طلحہ کی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کرتی آئی تھیں، انہوں نے اسے ہمیشہ دوسروں پر فوقیت دی۔

اب طلحہ کالج میں پہنچ چکا تھا تو اس کی فرمائشیں بھی مہنگی تر ہوتی جا رہی تھیں۔

(۱) تربیت اولاد کا اسلامی نظام: ۲۲۱

اس کے ابو نے کئی بار اس کی امی کو سمجھایا کہ دیکھو! اس کی ہر بات نہ مانا کرو، ایسا نہ ہو کہ بعد میں پانی سر سے اونچا ہو جائے، لیکن وہ ہمیشہ یہ کہتیں:

"ہمارا ایک ہی تو بیٹا ہے، اگر اس کی بات نہ مانیں اور ہر ضرورت پوری نہ کریں تو پھر اور کس کی کریں؟۔"

لیکن اب طلحہ کی ضد اور فرمائشیں حد سے بڑھتی جا رہی تھیں، اس کی امی بھی پریشان رہتی تھیں۔ آج وہ موبائل فون لینے پر اصرار کر رہا تھا اور اس کی امی کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ اس کی ضد پوری کر دیں۔ آخر اس کی امی نے پریشان ہو کر اپنی بڑی بہن کے گھر جانے کی ٹھانی۔ طلحہ کی امی کو رقم لینے کے سلسلے میں ہچکچاہٹ تو ہو رہی تھی لیکن لاڈلے بیٹے کی ضد کے سامنے مجبور تھیں۔ انہوں نے بڑی بہن سے کچھ پیسے قرض لے کر طلحہ کو لا دیئے۔

"امی، امی! یہ دیکھیں میں موبائل لے آیا، یہ دیکھیں امی جان! اس چھوٹے سے موبائل میں کتنے فنکشن ہیں۔ ریڈیو (FM) بھی ہے، نیٹ بھی ہے، گانے سنیں، فوٹو بنائیں، چاہے موی بنائیں، پہلے سیر وغیرہ پر جاتے ہوئے دوستوں سے کیمرہ مانگنا پڑتا تھا، اب مزے ہی مزے۔" اب تو امی بھی بیٹے کی خوشی پر خوش تھیں۔

طلحہ کی بڑی بہن محلے کی ایک عالمہ محترمہ کے پاس قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے جاتی تھیں، وہ یہ دیکھ کر خاموش نہ رہ سکیں۔

انہوں نے طلحہ کو اپنے پاس بلا کر سمجھانا شروع کیا: "دیکھو طلحہ! میرے پیارے بھائی! یہ سب شیطان کے جال ہیں، ہم ان میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے بدلہ لے رہا ہے، انہیں بہلا پھسلا کر اپنے دل کا غصہ نکال رہا ہے۔ شیطان نے تصویر کے معاملے میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو گمراہ کیا......"

اس نے ایک ترکیب سوچی اور نوح علیہ السلام کی قوم کے چند بزرگ لوگوں کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا: "تمہارے فلاں فلاں بزرگ کیسے تھے؟"

ان لوگوں نے کہا: ''سُبْحَانَ اللّٰہِ! ان کا کیا کہنا، وہ صورت میں انسان اور سیرت میں فرشتے تھے، وہ اللہ کے دوست تھے، وہ اللہ سے اور اللہ ان سے محبت کرتا تھا۔ وہ جو مانگتے، اللہ انہیں دیتا تھا۔''

شیطان نے بڑی عیاری سے ان کی جدائی پر افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگا: ''تمہیں ان حضرات کو دیکھنے کا شوق نہیں؟''

وہ کہنے لگے: ''جو بات ناممکن ہو، اس کی آرزو کرنے سے کیا فائدہ۔''

اس پر شیطان بولا: ''یہ تمہارے اختیار میں ہے تم ایسا کرو، ان کی ہم شکل تصویریں بناؤ اور روز صبح دیکھ لیا کرو، تمہارے دلوں کو تسکین ہوگی۔''

لوگوں نے اس کی رائے کو بہت پسند کیا اور جھٹ پٹ یہ کام کر ڈالا......

آہستہ آہستہ بات تصویروں سے مورتیوں تک پہنچ گئی، ہوا یہ کہ جب کوئی آدمی مر جاتا تو فوراً اس کی مورت بنالی جاتی اور اس کا وہی نام رکھا جاتا جو اس آدمی کا نام ہوتا، رفتہ رفتہ سینکڑوں کی تعداد میں مورتیاں تیار ہوگئیں اور پھر شیطان نے انہیں بہکا کر ان مورتیوں کی عبادت پر لگادیا، مورتیاں ان کی معبود بن گئیں۔

افسوس! لوگ حقیقی معبود کو بھلا کر ان بتوں کی پوجا کرنے لگے، شیطان کا فریب کارگر ہوا اور نبی کی تعلیمات کو لوگ بھلا بیٹھے، ان لوگوں کی ان حرکتوں پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگیا اور ان پر لعنت کی، ان پر بارش روک دی گئی، کھیتی اور اولاد کی پیداوار میں کمی کردی، پھر طوفان آیا اور وہ سب ہلاک ہوگئے۔

باجی بڑے درد بھرے لہجے میں یہ بات سنا رہی تھیں اور طلحہ سر جھکائے خاموشی سے سب سن رہا تھا کہ ایک دم بولا: ''باجی! یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟۔''

انہوں نے بتایا: ''یہ سب میں نے ''سورۂ نوح'' کی تفسیر میں پڑھا ہے۔

دیکھو بھائی! ہم بھی اسی شیطان کے راستے کی طرف جارہے ہیں، اب تک ہم صرف اور صرف اپنے شفیق و مہربان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی وجہ سے

محفوظ ہیں جو وہ رو رو کر ہمارے لیے، اپنی امت کے لیے اپنے رب سے کرتے رہے۔...... ہمارا حال یہ ہے کہ ہم بھی بری طرح شیطان کے جال میں پھنس چکے ہیں، گھر گھر میں شیطان مردود کی سازشوں کی وجہ سے ناچ رنگ پہنچ چکے ہیں، یہاں تک کہ مسجدوں تک موبائل فون کی صورت میں موسیقی پہنچ گئی ہے۔ میرے بھائی! ہمیں چاہیے کہ اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کریں، ان کی سنتیں زندہ کریں خود بھی توبہ کریں اور اپنے دوستوں کو بھی سمجھائیں۔"

"باجی! واقعی آپ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں۔ سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں اور پھر امی جان سے معافی مانگتا ہوں کہ میں نے انہیں بے جا تنگ کیا، یہ موبائل میں نے ایک دوست سے خریدا ہے، ابھی تک میں نے اس کے پورے پیسے ادا نہیں کیے ہیں۔ میں یہ اسے واپس کر دوں گا۔"[۱]

فائدہ: والدین کسی بات کا حکم دیں ان کی بات نہ ماننا، ان سے من پسند چیزوں کے لیے ضد کرنا، ان سے کھانے کے لیے نئی نئی فرمائش کرنا، اپنے بڑے بہن بھائیوں کا ادب نہ کرنا اور چیزوں کے لیے آپس میں لڑنا، جھگڑنا ان تمام عادتوں کو بداخلاقی کہتے ہیں اور بداخلاقی بہت بری بات ہے اور جو بچہ بداخلاق ہو وہ کسی کو اچھا نہیں لگتا سب اس سے نفرت کرتے ہیں۔

اس لیے آپ کوشش کریں کہ آپ خوش اخلاق بنیں، بداخلاقی کی کوئی عادت آپ میں نہ ہو۔ جتنے بھی نیک اور اچھے لوگ گزرے ہیں، ان سب کے اخلاق اچھے تھے، ان کے اچھے اخلاق دیکھ کر غیر مسلم بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے اخلاق سے مزین فرمائے اور اچھے اخلاق کے لیے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

---

(۱) بشکریہ بچوں کا اسلام، شمارہ نمبر ۲۲۴، ۱۴رمضان: ۱۴۲۷ھ

پانچویں صفت: ایثار

ایثار اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان خوش گواریوں اور اپنی من پسند چیزوں میں دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دے، یہ صفت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں پوری طرح راسخ تھی اور ان کے نزدیک اس سے آراستہ ہونا سب سے محبوب، پسندیدہ اور نیک عمل تھا۔

مہمان کی خاطر چراغ بجھادینا

ایک بار ایک صحابی جو فاقے کی حالت میں تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آج کی رات کون اس کی مہمانی کرے گا؟''

ایک انصاری صحابی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''میں اس کی مہمانی کروں گا''، آپ ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر آئے، بیوی سے پوچھا: ''کچھ ہے؟''

وہ بولیں: ''صرف بچوں کے لیے کھانا رکھا ہے۔'' حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''بچوں کو بہلا کر سلا دو، جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے سے بجھادو اور مہمان یہ سمجھتا رہے گا کہ ہم بھی کھا رہے ہیں۔'' بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقے سے رات گزاری۔

صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ'' (۱)

---

(۱) صحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف......، الرقم: ۲۰۵۴

ترجمہ: ”تم نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ تعالیٰ کو وہ بہت پسند آیا۔“

اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (۱)

ترجمہ: ”وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگ دست ہوں۔“

ایثار کی اعلیٰ مثال

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے مخصوص جگہ رکھی تھی، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ مبارک جگہ ان کو دے دی اور فرمایا:

”كُنْتُ اُرِيْدُهٗ لِنَفْسِيْ وَلَاُوْثِرَنَّهٗ بِهِ الْيَوْمَ عَلٰي نَفْسِيْ“ (۲)

ترجمہ: ”میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا، لیکن آج اپنے اوپر اُن کو ترجیح دیتی ہوں۔“

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہر ادا، ہر عادت ایسی ہے جس کی برابری تو درکنار اس کا کچھ حصہ بھی کسی خوش قسمت کو نصیب ہو جائے تو عین سعادت ہے۔

ایثار و قربانی اور خود فراموشی کے یہ جذبات ہمیں اپنے اندر بھی پیدا کرنے چاہئیں اور اپنی محبوب چیزوں دوسروں کی خواہش پر قربان کرنے کی نیک عادت کو اپنانا چاہیے۔

---

(۱) الحشر: ۹

(۲) صحيح البخاري، فضائل الصحابة، باب قصة البيعة......، الرقم: ۳۷۰۰

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قابل رشک ایثار

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات و صفات سے کون ناواقف ہو گا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت میں مخلوق کے لیے ایثار و ہمدردی کا خاص جذبہ اعلیٰ پیمانہ پر رکھا تھا، تاریخ میں آپ کے جذبۂ ایثار و ہمدردی کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ اپنے گھر میں کھانا کھا رہی تھیں، آپ کو خیال آیا کہ میرے والد اور اللہ کے محبوب فاقے سے ہوں گے، اس لیے آپ آدھی روٹی لپیٹ کر اپنے والد ماجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے تشریف لائیں اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''بیٹی فاطمہ! کیسے آنا ہوا؟''

انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے محبوب! ہم کئی دنوں سے بھوکے تھے، علی نے کچھ کام کیا اور آٹا لے کر آئے، میں نے روٹیاں پکائیں، سب کے حصے میں ایک ایک روٹی آئی، جب میں روٹی کھانے لگی تو میرے دل میں خیال آیا کہ فاطمہ! تو خود تو کھا رہی ہے، پتہ نہیں کہ تیرے والد گرامی کو کچھ کھانے کو ملا ہو گا یا نہیں، لہٰذا میں نے آدھی روٹی کھائی ہے اور بقیہ آدھی روٹی آپ کو ہدیے کے طور پر پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔''

سُبْحَانَ اللّٰہ! ایسی بیٹی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی کے اس آدھے حصے کو لیا اور ایک ٹکڑا اپنے مبارک منہ میں ڈال کر فرمایا: ''مجھے قسم ہے اس ربِ ذوالجلال کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، فاطمہ! تین دن سے میرے منہ میں روٹی کا کوئی ٹکڑا نہیں گیا تھا۔''[1]

---

(۱) مجمع الزوائد، التوبة، في عيش رسول الله: ٤/ ٥٠٠

فائدہ: والدین کے لیے بھی ایثار و غم خواری کا جذبہ ہمارے دل میں ہو، ہمارے والدین کو کسی ایسی چیز کی ضرورت ہو جو ہمارے بس میں ہو اور ہمیں بھی اس کی ضرورت ہو، لیکن قربانی دے کر ہم وہ چیز والدین کو دے دیں۔

اسی طرح ہمارے کھیلنے کا یا سونے کا وقت ہو گیا ہو یا ہم اسکول و مدرسے سے تھک کر آئے اور ہمیں آرام کی ضرورت ہو اور ساتھ والدین کو خدمت کی بھی ضرورت ہو تو اس وقت اس خدمت کو انجام دیں اور اپنے کھیل، سونے یا آرام کو قربان کر دیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ والدین ہمارے لیے کھانے کی کوئی چیز یا کھیلنے کے کھلونے یا دوسری کوئی چیز لا کر دیں تو ہمارا جذبہ پہلے لینے کا یا سب چیزیں لے لینے کا نہ ہو۔

بعض اوقات کوئی چیز پسند آگئی، وہی چیز دوسرے بہن بھائیوں کو بھی پسند ہے تو ہم وہ چیز ان کو دے دیں، اس سے ہمارے والدین بہت خوش ہوں گے اور دعائیں دیں گے۔

چھٹی صفت: سچائی

مثالی اولاد کے لیے سچائی کی صفت سے آراستہ ہونا بہت ضروری ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں جن اچھی صفات پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان میں سچائی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”تم سچائی کو لازم پکڑ لو اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیوں کہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈالتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور جب آدمی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیقین (بہت زیادہ سچ بولنے والوں) میں

لکھا جاتا ہے۔

اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے باز رکھو، کیوں کہ جھوٹ بولنا گناہوں کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور جب آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ بولنے ہی کو اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذابین (بہت زیادہ جھوٹ بولنے والوں میں) میں لکھا جاتا ہے۔"[1]

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا خود بھی نیکی ہے اور اس کی خاصیت بھی یہ ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔

اسی طرح جھوٹ بولنے کی خاصیت ہے کہ وہ آدمی کے اندر نافرمانی اور گناہوں کا شوق پیدا کر کے اور اس کی پوری زندگی کو برے کردار کا داغ دے کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے۔[2]

موت کے وقت راحت کا ذریعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "اگر تمہارے اندر یہ چار صفتیں موجود ہیں تو پھر دنیا چھوڑتے وقت تمہیں کوئی خوف اور ڈر نہیں ہو گا ① امانت کی حفاظت ② بات کی سچائی ③ اچھے اخلاق ④ کھانے میں احتیاط۔"[3]

فائدہ: دنیا میں سچائی کو اختیار کرنے سے موت کی سختیوں سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں، قیامت کے دن بھی سچائی نفع دے گی۔

---

(۱) صحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب وحسن الصدق، الرقم: ۲٦۰۷
(۲) معارف الحدیث: ۲/ ۲٦۰
(۳) الجامع لشعب الإيمان: ٦/ ٤٥۰، الرقم: ٤٤٦٣

سچ بولنے کے فوائد

سچ بولنے کے بہت سارے فوائد ہیں، چند یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

① سچائی جنت کا راستہ ہے۔

② سچے لوگ ہی اللہ کے مقرب بندے ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام اور مقربین کی یوں تعریف فرمائی ہے کہ یہی لوگ سچے اور تصدیق کرنے والے ہیں اور قیامت والے دن ان کی سچائی ان کو نفع دے گی۔[1]

④ سچ بولنے والوں سے لوگ محبت کرتے ہیں، ان پر بھروسہ کرتے ہیں اور سارے معاملات میں اپنا امین بناتے ہیں۔

⑤ سچا آدمی قابلِ فخر ہوتا ہے اور معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

⑥ سچائی اعمال کو بلند کرتی ہے اور ان کی شان بڑھاتی ہے۔

⑦ سچائی خود اعتمادی کی علامت ہے۔

⑧ سچائی نجات ہے اور جھوٹ ہلاکت ہے۔

⑨ سچائی دل میں اثر پیدا کرتی ہے۔

⑩ سچا آدمی صالحین، شہداء اور انبیا کے ساتھ ہو گا۔[2]

سچ بولنے سے والدین بھی خوش ہوتے ہیں

سچ بولنے کی فضیلت و اہمیت اور جھوٹ بولنے کے نقصانات کے بارے میں احادیث مبارکہ آپ نے پڑھ لیں۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ہم سچ بولیں اور سچائی کو شعار بنائیں اور جھوٹ سے بالکل بچیں۔ سچائی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بڑی خوبی اور خصوصیت تھی۔

(۱) مأخوذ از المائدہ: ۱۱۹

(۲) نضرۃ النعیم: ۶/ ۲۵

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سچے انسان تھے، آپ بچپن ہی سے ہمیشہ سچ بولتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اتنی بڑی خوبی تھی کہ اس کا اعتراف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن بھی کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے مثال سچائی کی بدولت دنیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر اعتماد کیا اور دین اسلام ساری دنیا میں پھیل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور اس میں ملنے والے مبارک اعمال ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اس لیے اس بات کا عزم کرلیں کہ ہم سچ ہی بولیں گے اور سچائی کا دامن کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

جھوٹ کے بارے میں بھی ایک حدیث پڑھ لیں اور پھر سوچیں کہ جھوٹ بول کر ہم کتنا سنگین جرم کرتے ہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إِذَا كَذِبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ."

"جس وقت بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کی جھوٹ کی بدبو سے (تنگ آکر) ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔"[1]

انسان جھوٹ کو ہلکی بات سمجھتا ہے، کیوں کہ اس میں ذرا سی زبان ہلا دینے کے سوا اور کچھ نہیں کرنا پڑتا، لیکن یہ ذرا سی زبان ہلا دینا بھی معلوم نہیں، کیا کیا بلائیں اس کے اوپر لا سکتا ہے۔

سب سے بڑی برائی تو یہ ہوتی ہے کہ اس کی بدبو سے حفاظت کرنے والے فرشتے دور ہو جاتے ہیں۔

اگر دنیا میں ہم لوگوں کی نفرت سے بچنے کے لیے خود کو بدبودار چیزوں سے دور رکھتے ہیں تو کیا فرشتوں کی نفرت سے بچنے کے لیے ہمیں جھوٹ سے دور نہیں رہنا چاہیے؟

(۱) جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الصدق والكذب، الرقم: ۱۹۷۲

آج سے ہم سب ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں کہ وہ ہمیں مرتے دم تک سچ بولنے کا پابند بنائے رکھے۔

سچائی کا مثالی واقعہ

بچپن سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو علم حاصل کرنے کا شوق تھا، ایک دن انہوں نے اپنی والدہ سے بغداد جانے کی اجازت چاہی۔ والدہ نے بیٹے کا شوق دیکھ کر ان کو بغداد جانے کی اجازت دے دی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

''میرے پیارے بیٹے! تمہاری جدائی تو میں تھوڑی دیر کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتی، لیکن جس نیک کام کے لیے تم بغداد جانا چاہتے ہو میں اس سے تمہیں روک بھی نہیں سکتی، علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، میری دعا ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو، میں تو شاید جیتے جی تمہاری صورت نہ دیکھوں، لیکن میری دعائیں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔''

پھر فرمایا: ''تمہارے والد نے مرتے وقت اسّی (۸۰) دینار میرے سپرد کیے تھے، اس میں سے چالیس (۴۰) دینار تمہارے چھوٹے بھائی کے لیے رکھتی ہوں اور چالیس (۴۰) دینار تمہیں دیتی ہوں، جب ضرورت پڑے انہیں خرچ کر لینا۔''

دینار سونے کا ایک قیمتی سکہ ہوتا تھا اور چالیس (۴۰) دینار آج کل کے ہزاروں روپے کے برابر تھے۔ والدہ نے یہ دینار شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قمیص میں بغل کے نیچے بڑی احتیاط کے ساتھ سی دیئے تاکہ چوری اور گم ہونے سے محفوظ رہیں۔

ان ہی دنوں ایک قافلہ بغداد جا رہا تھا۔ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جانے کے لیے اپنی والدہ سے رخصت ہونے لگے تو والدہ نے فرمایا:

''میرے لال! میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا وہ یہ کہ خواہ کیسی بھی مصیبت آپڑے، چاہے تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے جھوٹ کبھی نہ بولنا۔''

سعادت مند بیٹے نے ماں کے ہاتھ چوم کر کہا: ”امی جان! میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔“

پھر وہ بغداد جانے والے قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب یہ قافلہ ایک ویران علاقے میں پہنچا تو بہت سے ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر دیا اور ہر ایک سے سب مال و دولت اور دیگر اسباب لوٹ لیا۔ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ چپ چاپ کھڑے یہ سارا دردناک نظارہ دیکھ رہے تھے۔

ایک ڈاکو ان کی طرف بڑھا اور نزدیک جا کر پوچھا:

”کیوں میاں لڑکے! تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟“

انہوں نے فوراً جواب دیا: ”ہاں! میرے پاس چالیس (۴۰) دینار ہیں۔“

ڈاکو کو ان کی بات کا یقین نہ آیا، کیوں کہ وہ بالکل سادہ لباس پہنے ہوئے تھے، اس نے سمجھا کہ لڑکا مایوسی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے، اس لیے ان پر حقارت کی نظر ڈالتا ہوا آگے نکل گیا۔

پھر دو تین اور ڈاکوؤں نے بھی ان سے یہی سوال کیا اور انہوں نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ ان کے پاس چالیس (۴۰) دینار ہیں، ہوتے ہوتے یہ بات سب ہی ڈاکوؤں میں پھیل گئی اور آخر ان کے سردار تک بھی پہنچ گئی۔ سردار نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ذرا اس لڑکے کو میرے سامنے لاؤ۔

چند ڈاکو دوڑتے ہوئے گئے اور شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے آئے جو ایک ٹیلے پر لوٹا ہوا مال تقسیم کرنے کے لیے بیٹھا تھا۔

سردار نے شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا:

”لڑکے سچ بتا! تیرے پاس کیا ہے؟“

انہوں نے جواب دیا: ”میں پہلے بھی تمہارے ساتھیوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس چالیس (۴۰) دینار ہیں۔“

سردار نے کہا: ”کہاں ہیں؟ نکال کر دکھاؤ۔“

انہوں نے فرمایا: ”میری بغل کے نیچے قمیص میں سلے ہوئے ہیں۔“

سردار نے قمیص کو ادھیڑ کر دیکھا تو اس میں سے واقعی چالیس (۴۰) دینار نکل آئے۔ ڈاکوؤں کا سردار اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی اس طرح سچ بول سکتا ہے۔

ڈاکوؤں کے سردار نے کہا: ”لڑکے! تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں اور مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں پھر بھی تم ہم سے نہیں ڈرے اور ان دیناروں کا راز ہم پر ظاہر کر دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟“

نوجوان عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ”میری ماں نے گھر سے چلتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا، بھلا ان چالیس (۴۰) دیناروں کی خاطر میں اپنی والدہ کی نصیحت کیوں کر بھلا دیتا، ایسا کرنا نافرمانی ہوتی، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا۔“

یہ محض الفاظ نہیں تھے، سچائی کے ترکش سے نکلے ہوئے تیر تھے جو ڈاکوؤں کے سردار کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ وہ روتے ہوئے بولا: ”آہ میرے بچے! تم نے اپنی ماں سے کیے ہوئے وعدے کو یاد رکھا اور اُن کی نافرمانی نہیں کی، افسوس ہے کہ میں کئی سالوں سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہوں۔“

یہ کہہ کر اتنا رویا کہ ہچکیاں لینے لگا، پھر بے اختیار شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کی اور کہنے لگا: ”اے بچے! تم پر اللہ تعالیٰ کی ہزار رحمت ہو کہ مجھے سیدھی راہ دکھادی، اب میں بھی زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا، آیندہ کبھی کسی کو تکلیف نہیں دوں گا، ہر برے کام سے بچوں گا اور کبھی لوٹ مار نہیں کروں گا۔“

سردار کو دیکھ کر دوسرے ڈاکوؤں نے بھی ڈاکے، چوری اور دوسرے برے کاموں سے توبہ کر لی اور لوٹا ہوا تمام مال واسباب قافلے والوں کو واپس دے دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان سب نے نہایت نیک زندگی بسر کرنی شروع کر دی اور بہت اچھے انسان بن گئے، یہ سب کچھ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کے سچ بولنے کی

بدولت ہوا۔[1]

سچ بولنے کی برکت سے کام یابی مل گئی

"ماں! میرے لیے دعا کرنا...... ملازمت کے لیے یہ میرا آٹھواں جائزہ (انٹرویو) ہے...... اگر میں اس میں کام یاب ہو گیا تو پانچ ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملا کرے گی...... اور یہ ہم دونوں کے لیے بہت کافی ہو گی...... پھر تمہیں دوسروں کے گھروں کے کپڑے اور برتن نہیں دھونا پڑا کریں گے......"

احسن یہ کہتے ہوئے ماں کے سامنے جا کھڑا ہوا...... یہ اس کا خاص انداز تھا...... گھر سے جاتے وقت ماں کی خدمت میں ضرور جاتا تھا اور وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا کرتی تھی۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں...... اور تم میری فکر نہ کیا کرو......"

احسن جب نجی ادارے میں انٹرویو دینے کے لیے وہاں پہنچا تو دیکھا دفتر کے باہر ہی کافی بھیڑ تھی...... کرسیوں پر امیدار بیٹھے ہوئے تھے...... وہ جائزہ کے لیے بلائے گئے امیدواروں کے ناموں کی فہرست کی طرف بڑھ گیا...... اس کا نام فہرست میں موجود تھا اور چالیسویں نمبر پر تھا......

اسے طرح طرح کے خیالات آنے لگے...... اتنے امیدواروں میں کام یاب ہو جانا آسان کام نہیں تھا...... پہلے تحریری جائزہ ہونا تھا...... پھر باری باری جائزہ لینے والوں کے سامنے جانا تھا اور ان کے زبانی سوالات کے جوابات دینے تھے۔

جلد ہی تحریری جائزہ شروع ہو گیا...... سب کو سوالات کا ایک پرچہ دیا گیا تھا...... اس نے سوالات کو غور سے پڑھا...... نو سوال اسے بہت آسان لگے...... دسویں سوال نے البتہ اسے چکرا کر رکھ دیا...... سوال یہ تھا، اپنے چوبیس گھنٹوں کے معمولات تحریر کیجیے...... یعنی یہ لکھنا تھا کہ پورے چوبیس گھنٹوں کا ایک دن وہ روزانہ کس طرح گزارتا

---

(۱) ماخوذ از گمنام محسن: ۴۳

تھا......

بچپن سے ماں نے اسے ایک سبق پڑھایا تھا...... بیٹے کچھ بھی ہو جائے، سچ ہرگز نہ چھوڑنا...... حالات چاہے کچھ بھی ہوں ...... اب آخری سوال یہ تھا کہ روزانہ اپنے چوبیس گھنٹے کس طرح گزارتا تھا...... آخر اس نے دس کے دس سوالات کے جوابات لکھ دیے...... دسویں سوال کا جواب بھی اس نے بالکل سچ سچ لکھ دیا...... اور وہ جواب یہ تھا:

"میرے روز مرہ کے معمولات کوئی خاص نہیں ...... والدہ کے علاوہ میرا کوئی عزیز رشتے دار نہیں ...... لہٰذا اپنی ماں کا ہاتھ بٹانے کے لیے گھر کا کام کاج کرتا رہتا ہوں ...... کوشش کرتا ہوں کہ اسے کم سے کم کام کرنا پڑے ...... اس نے میرے لیے بہت دکھ اٹھائے ہیں...... اب اسے آرام پہنچانے کی ذمے داری میری ہے ...... لہٰذا میں تو بس اپنے گھر ہی میں رہتا ہوں...... ہاں! نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں ضرور جاتا ہوں...... بس اس کے علاوہ میرے کوئی معمولات نہیں ہیں......۔"

جب اسے زبانی سوالات کے لیے بلایا گیا تو اندر انٹرویو لینے والے تین افراد بیٹھے تھے...... انہوں نے اس کا آخری سوال پڑھا اور ایک نے کہا: "بس! یہی کچھ معمولات ہیں آپ کے، دن بھر کے کوئی کھیل نہیں کھیلتے آپ؟"

"جی نہیں۔"

"دوستوں کے ساتھ وقت نہیں گزارتے......؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا:

"کسی لائبریری میں جا کر مطالعہ بھی نہیں کرتے؟"

"مجھے مطالعے کا شوق ہے ...... لیکن میں والدہ کے خیال سے نہیں جاتا...... ہاں! کوئی کتاب کسی سے مل جائے تو سونے سے پہلے پہلے چند صفحات ضرور پڑھ لیتا ہوں۔"

"اچھا! ہمارا ادارہ یوں تو ایک ایمان دار ادارہ ہے، کوئی بے ایمانی نہیں کرتا...... لیکن انکم ٹیکس بچانے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑتا ہے...... اس سلسلے میں آپ کو

بھی کچھ غلط کام کرنے پڑیں گے...... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا...... اعتراض ہے تو اسی وقت بتا دیں...... تاکہ ہمیں نئے سرے سے لوگوں کو بلا کر انٹرویو نہ لینے پڑیں۔ ہمیں ایک امیدوار کو منتخب کرنا ہے...... یہ بھی خیال رہے۔"

یہ سوال اسے کافی مشکل معلوم ہوا...... مسئلہ تو تھا اس سوال کے جواب کا......

اور پھر اسے اپنی ماں کی بات یاد آگئی...... کاغذات میں غلط اندراج بھی تو ایک طرح کا جھوٹ ہی ہے...... اور اس کے ساتھ ہی اسے جواب سوجھ گیا، اس نے بے دھڑک ہو کر کہا: "میری ماں کی تعلیم اس کے خلاف ہے...... لہٰذا میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے...... آپ جا سکتے ہیں...... اگر آپ کو رکھنے کا فیصلہ ہوا تو آپ کو چٹھی مل جائے گی۔"

وہ سلام کر کے باہر نکل آیا...... جن لوگوں نے ابھی انٹرویو نہیں دیا تھا وہ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور لگے پوچھنے...... ہاں! کیا ہوا اندر...... کیا کیا پوچھا انہوں نے؟...... انہیں ٹال کر وہ واپس آگے بڑھ گیا......

گھر میں داخل ہوا تو چپ چاپ تھا، ماں نے اس کی خاموشی کو فوراً بھانپ لیا اور پوچھا: "کیا ہوا میرے بچے...... کیا انٹرویو اچھا نہیں ہوا؟"

اس نے تفصیل سنا دی...... ماں نے سنتے ہی کہا: "تب تو تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے...... تم نے بالکل ٹھیک جواب دیا ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے احسن کا کندھا تھپتھپایا...... اور اسے اپنے سر سے بوجھ اترتا محسوس ہوا......

دس دن بعد اسے ایک خط موصول ہوا...... خط اسی ادارے کی طرف سے تھا...... اس میں انہوں نے اسے انٹرویو میں کام یاب ہونے کی مبارک باد دی تھی اور پہلی تاریخ سے ملازمت پر آنے کی ہدایات کی تھی...... ساتھ ہی انہوں نے لکھا تھا:

"وہ سوال ایک امتحان تھا...... ہمارے ہاں کوئی غلط کام نہیں ہوتا...... اور درست

جواب صرف آپ نے دیا تھا۔"[۱]

فائدہ: عزیز ساتھیو! آپ سچ بولنے کے نتائج پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ سچا آدمی بظاہر فوری طور پر تو کسی دینوی نقصان میں مبتلا ہو سکتا ہے، مگر اس سے دوسروں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی سچا اور کھرا ہے تب ہی تو یہ نقصان برداشت کر کے سچ کا دامن نہیں چھوڑ رہا، رفتہ رفتہ سب لوگ اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں۔

معاشرے کا اعتماد اور بھروسہ ہی وہ سیڑھی ہے جس پر قدم رکھ کر آدمی بلند مرتبوں تک پہنچتا ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑی بڑی ڈگریوں اور قابلیت کے باوجود ترقی سے محروم رہتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کا اعتماد حاصل نہیں کر پاتے۔ ترقی کی راہ میں تجربے، قابلیت، مہارت اور ڈگریوں سے بھی بڑھ کر باہمی اعتماد کام آتا ہے اور یہ اعتماد سچائی اور مخلصانہ کردار سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا سچ ہی کو اختیار کریں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کریں:

"رَبِّ سَدِّدْ لِسَانِيْ وَاَهْدِ قَلْبِيْ."[۲]

"اے میرے رب! میری زبان سیدھی رکھ اور میرا دل راہِ راست پر لگا۔"

ساتویں صفت: اچھی صحبت

آپ کے ضرور کچھ دوست ہوں گے۔ اڑوس پڑوس میں رہنے والے دوست، ساتھ کھیلنے والے دوست، مدرسہ یا اسکول میں پڑھنے والے دوست! اللہ کرے ایسا ہی ہو کہ آپ کے سبھی دوست نیک اور صالح ہوں، نمازی ہوں، دین دار ہوں، علم کا شوق رکھنے والے ہوں، بڑوں کا ادب کرنے والے اور والدین کے فرماں بردار ہوں، غلط باتوں سے بچنے والے اور برے کاموں سے دور رہنے والے ہوں۔ یاد رکھیں! ایسے دوست بہت کم ملتے ہیں، اگر کسی کو ایسے دوست مل جائیں تو سمجھیں کہ وہ

(۱) بچوں کا اسلام، شمارہ: نمبر ۲۴۶، ۱۴۲۸ھ

(۲) جامع الترمذي، ابواب الدعوات، الرقم: ۳۵۵۱

بہت خوش نصیب ہے۔

اس لیے کہ انسان جس طرح کے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے اور جیسے لوگوں کے ساتھ اس کا میل جول ہوتا ہے، اس میں ان جیسی عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ایک برے انسان کو اچھے لوگوں کی صحبت مل جائے، اچھے اور نیک ساتھی مل جائیں تو وہ آہستہ آہستہ اچھا ہو جاتا ہے، اس کی بری عادتیں چھوٹ جاتی ہیں اور اگر ایک اچھا شخص بروں کی صحبت میں پھنس جائے تو اس کے اندر بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ برا بن جاتا ہے۔

اگر آپ باغ میں جائیں تو وہاں پھل اور خوش بو ملے گی، عطر والے کی دکان پر جائیں خوش بو ملے گی اور گندگی کے ڈھیر کے پاس سے گزرے تو بدبو کے بھبکے ملیں گے، گندگی کے ڈھیر سے خوش بو نہیں مل سکتی۔

اچھے اور برے دوست کی مثال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں اس کی بہترین مثال بیان فرمائی ہے۔ فرمایا: ”اچھے اور برے ساتھی کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے، مشک رکھنے والا یا (بلا عوض) تم کو دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا کم از کم اس سے خوش بو ہی پاؤ گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا اور نہیں تو کم از کم دھواں تو تمہیں ضرور حاصل ہو گا۔“(۱)

دوستی و صحبت کے اثرات کس قدر گہرے ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اندازہ لگایئے:

”اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ.“

”انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے؟۔“(۲)

---

(۱) سنن ابي داود، الادب، باب من يؤمر ان يجالس، الرقم: ۴۸۲۹

(۲) جامع الترمذي، الزهد، باب حديث الرجل على دين خليله، الرقم: ۲۳۷۸۰

بری صحبت اپنا اثر رکھتی ہے

ایک شخص کا بیٹا برے لڑکوں سے میل جول رکھنے لگا۔ باپ نے ہر چند منع کیا، مگر وہ لڑکا باز نہ آیا، نتیجۃً وہ روز بروز خراب ہوتا گیا۔

آخر باپ نے اسے سمجھانے کے لیے ایک ترکیب سوچی، اسے بازار سے کچھ سیب خرید کر لانے کا کہا، جب وہ لے آیا تو باپ نے اچھے سیب ایک ٹوکری میں رکھے اور ان کے درمیان کچھ گلے سڑے سیب بھی رکھ دیے۔

بیٹے نے اسی وقت اعتراض کیا: ''یہ خراب سیب دوسروں کو خراب کر دیں گے''، مگر باپ کہنے لگا: ''اچھے سیب جب اس وقت بھلے چنگے ہیں تو خراب سیبوں سے انہیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟''

ٹوکری کو چند دن تک کہیں چھپا کر رکھ دیا گیا، بعد میں جب ٹوکری کو نکالا تو دونوں نے دیکھا کہ تمام سیب گل سڑ کر خراب ہو چکے ہیں۔ بیٹا کہنے لگا:

''دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ سارے سیب خراب ہو جائیں گے، آخر وہی ہو کر رہا۔''

باپ نے موقع غنیمت دیکھ کر بیٹے کو سمجھایا: ''دیکھو بیٹا! جس طرح چند خراب سیب سارے اچھے سیبوں کی بربادی کا سبب بن گئے ہیں اسی طرح خراب لڑکے اچھے لڑکوں کو بھی لے ڈوبتے ہیں، خیال یہ ہوتا ہے کہ ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، مگر ان کی خراب صحبت کا اثر اس وقت جا کر کھلتا ہے، جب انسان تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔'' بیٹے نے جب یہ مثال اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو آیندہ بری صحبت سے تائب ہو گیا۔ سچ ہے، ؎

جو بیٹھو گے تم آگ کے پاس جا کر
تو اٹھو گے اک روز کپڑے جلا کر[1]

---

(۱) اسباق الاخلاق: ۲۵

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا

بلاشبہ نیکوں کی صحبت سے نیکی کا راستہ اور بروں کی صحبت سے برائی کا راستہ حاصل ہو گا، اگر ایک لڑکا خراب اور گندے دوستوں کے ساتھ میل جول رکھے گا تو اس کے بگڑنے میں کچھ دیر نہ لگے گی۔

حضرت نوح علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کا بیٹا بروں کی صحبت میں پڑ گیا، والد کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ اس سے باز نہ آیا، یہاں تک کہ جب طوفان آپہنچا اور حضرت نوح علیہ السلام بیٹھ کر اپنے ساتھیوں سمیت کشتی میں سوار ہو گئے اور باقی تمام مخلوق غرقِ آب ہونے لگی، تو قریب ہی حضرت نوح علیہ السلام کو اپنا بیٹا ڈوبتا ہوا نظر آیا، محبت پدری نے جوش مارا، اللہ تعالیٰ سے اس کے بچانے کی دعا فرمائی، مگر بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا:

﴿قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۶﴾ (۱)

ترجمہ: ”یقین جانو وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو ناپاک عمل کا پلندہ ہے، لہٰذا مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں شامل نہ ہو۔“

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملا:

① بری صحبت پیغمبر کے بیٹے کو بھی برائی سے محفوظ نہ رکھ سکی اور وہ بھی اسی طرح برا بن گیا، جس طرح عام لڑکے بروں کے پاس رہ کر برے ہو جاتے ہیں۔

② پیغمبر کے احکام پر چلنے والا صحیح معنوں میں اس کا پیروکار، بلکہ روحانی اولاد ہوتا ہے اور جو حقیقی بیٹا ان کی تعلیمات سے استفادہ نہیں کرتا، بلکہ بری صحبت میں

---

(۱) هود: ٤٦

پڑ کر اپنے آپ کو تباہ کر لیتا ہے، وہ پیغمبر کی اولاد میں شمار نہیں ہوتا۔[1]

صحبت کے متعلق والدین کی نصیحت

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''يَا بُنَيَّ كُنْ حِذْرًا مِنَ اللَّئِيْمِ إِذَا أَكْرَمْتَهُ. وَمِنَ الْعَاقِلِ إِذَا هَجَوْتَهُ. وَمِنَ الْأَحْمَقِ إِذَا مَازَحْتَهُ. وَمِنَ الْفَاجِرِ إِذَا خَاصَمْتَهُ.''[2]

کمینے آدمی سے ہوشیار رہو جب تم اس کا اکرام کرو...... (یعنی اس کا تم کو کوئی فائدہ نہیں ملے گا الٹا تمہارا نقصان ہو گا کیوں کہ یہ مقولہ مشہور ہے: ''اَللَّئِيْمُ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ أَسَاءَ إِلَيْكَ'' جب تو اس کے ساتھ احسان کرے گا تو وہ ضرور اس کا بدلہ برائی میں دے گا لہٰذا اس سے دور رہنے میں ہی فائدہ ہے۔)

اور عقل مند آدمی سے ہوشیار رہو جس وقت تم اس کی مذمت بیان کرو...... (یعنی فی الحال تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا، لیکن موقع پاتے ہی تمہیں نقصان پہنچائے گا۔)

اور بے وقوف سے ہوشیار رہو جس وقت تم ان سے مذاق کرو...... (اس لیے کہ وہ بے وقوفی میں ایسا کام کر گزرے گا جو تمہیں ناگوار ہو)۔...... اور فاسق سے پرہیز کرو جب تم ان سے جھگڑا کر بیٹھو۔

امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بیٹے کو نصیحت

ابو جعفر محمد بن علی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ میرے والد نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''لَا تَصْحَبَنَّ خَمْسَةً وَلَا تُحَادِثْهُمْ وَلَا تُرَافِقْهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ''

(۱) اسباق الاخلاق: ۳۸ تا ۳۹

(۲) سفینۃ الفرج: ۵۲۳

(اے میرے بیٹے!) ”پانچ آدمیوں کو دوست مت بناؤ، ان سے بات بھی نہ کرنا، یہاں تک کہ راستہ چلتے ہوئے ان کے ساتھ راستہ بھی نہ چلنا۔“

میں نے کہا: ”میں آپ پر قربان ہو جاؤں، اے ابا جان! یہ پانچ آدمی کون ہیں؟“

فرمایا:

”لَا تَصْحَبَنَّ فَاسِقًا فَإِنَّهٗ يَبِيْعُكَ بِأَكْلَةٍ فَمَا دُوْنَهَا ......“

”فاسق کو دوست مت بناؤ، اس لیے کہ وہ تجھے ایک لقمہ، بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی فروخت کر دے گا۔“

میں نے کہا: ”ابا جان دوسرا کون ہے؟“

فرمایا:

”لَا تَصْحَبَنَّ الْبَخِيْلَ فَإِنَّهٗ يَقْطَعُ بِكَ فِيْ مَالِهٖ أَحْوَجُ مَا كُنْتَ إِلَيْهِ“

”بخیل کو دوست مت بناؤ، اس لیے کہ وہ تجھ سے ایسے وقت میں تعلق توڑ دے گا جب تو اس کا سخت محتاج ہو۔“

میں نے کہا: ”ابا جان تیسرا کون ہے؟“

فرمایا:

”لَا تَصْحَبَنَّ كَذَّابًا فَإِنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ السَّرَابِ يُبْعِدُ مِنْكَ الْقَرِيْبَ وَيُقَرِّبُ مِنْكَ الْبَعِيْدَ.“

”جھوٹے کو دوست مت بناؤ، اس لیے کہ یہ ایسا دھوکے باز ہے جو قریب کو دور اور دور کو قریب ظاہر کرے گا۔“

میں نے کہا: ”چوتھا کون ہے؟“

فرمایا:

”لَا تَصْحَبَنَّ أَحْمَقَ فَإِنَّهٗ يُرِيْدُ أَنْ يَّنْفَعَكَ فَيَضُرَّكَ“[1]

---

(۱) صفة الصفوة، ومن الطبقة الثامنة: ۲/ ۷۱

''احمق کو دوست مت بناؤ، اس لیے کہ وہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا تو اپنی حماقت سے نقصان پہنچائے گا۔''

پیارے ساتھیو! ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے اچھا شریف اور عزت والا سمجھیں، آپ کی بھی یقیناً یہی چاہت ہوگی، لیکن یاد رکھیے کہ اگر آپ کا اٹھنا بیٹھنا برے لڑکوں کے ساتھ ہے اور آپ کے دوست نیک اور صالح نہیں ہیں، بلکہ وہ خراب اور آوارہ مزج کے ہیں تو آپ معاشرے میں کبھی اچھے انسان نہیں کہلا سکتے۔

انسان کی پہچان اس کے دوستوں سے ہوتی ہے جیسے اس کے دوست ہوتے ہیں وہ ویسا ہی سمجھا جاتا ہے، دوست اچھے ہیں تو اچھا سمجھا جائے گا اور اگر دوست برے اور خراب ہیں تو خراب سمجھا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مَاشَيْءٌ أَدَلَّ عَلٰي شَيْءٍ وَلَا الدُّخَانُ عَلَي النَّارِ مِنَ الصَّاحِبِ عَلَي الصَّاحِبِ.''(۱)

''دھواں دیکھ کر بھی آگ کا اتنا یقینی طور پر پتہ نہیں چلتا جتنا کسی انسان کے دوست کو دیکھ کر اس شخص کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔''

دوسری بات صحبت اور دوستی کا اثر یقیناً ہوتا ہے، یہ مت سمجھیں کہ ہم پکے دین دار ہیں، اس لیے بروں کی دوستی بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

بری صحبت سے بچنے کا واقعہ

آصف......!آصف......!

کیا شام کو سیر کے لیے نہیں چلو گے......؟ خالد نے سائیکل سے اترتے ہوئے کہا۔

''دوست! دل تو بہت چاہتا ہے سیر کرنے کو، لیکن کیا کروں، میرے پاس پیسے

(۱) فیض القدیر، حرف الھمزۃ رقم: ۷۸۹۰

نہیں ہیں۔"

خالد نے کہا: "تو پھر سیر کے لیے نہیں جاؤ گے......؟"

"ہاں دوست! مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ شام کو سیر کے لیے نہیں جا سکوں گا۔"

"تو دوست! اس میں دل چھوٹا کرنے کی کیا بات ہے، تم اپنے گھر والوں سے پیسے مانگ لو۔" خالد نے آصف کی ہمت بندھائی۔

"لیکن گھر والے پیسے نہیں دیں گے، اب تو میرا جیب خرچ بھی بند ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے ششماہی امتحان میں کم نمبروں کی وجہ سے ابا جان مجھ سے سخت ناراض ہوئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے میرا جیب خرچ بھی بند کر دیا ہے۔" آصف نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"حیرت ہے! اتنی سی بات پر تمہارے ابا جان نے تمہارا جیب خرچ بند کر دیا ہے۔" خالد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا: "ویسے تم ایک طریقے سے پیسے حاصل کر سکتے ہو۔"

"یہ بتاؤ! تمہارے ابا پیسوں والا بٹوا کہاں رکھتے ہیں......؟" خالد نے بڑے رازدرانہ لہجے میں آصف سے پوچھا......!!

"اپنی قمیص کی جیب میں۔" آصف اتنا کہہ کر ایک لمحے کو خاموش ہو گیا، پھر دسرے لمحے اس نے اس سے پوچھا: "لیکن یہ سب تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میں تمہیں سیر کرانے کے لیے لے جانا چاہتا ہوں" خالد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی! تم بہت بھولے ہو، میرا مطلب یہ ہے کہ تم ابا کے بٹوے میں سے وقتی طور پر کچھ پیسے نکال لینا، پھر ہم دونوں ان پیسوں سے سیر کرنے کے لیے چلیں گے، ہاں! بعد میں ابا جان کو صاف صاف بتا دینا اور پیروں میں پڑ کر معافی مانگ لینا اور بس......" خالد نے چالبازی سے کام لیتے ہوئے کہا......!

''نہیں ...... نہیں ...... یہ تو چوری ہوئی، میں یہ کام نہیں کروں گا'' آصف نے گھبرائے ہوئے لہجے میں گردن کو ''نہیں'' کے انداز میں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر تم یہ کام نہیں کر سکتے تو تمہاری مرضی، اچھا بھائی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ......! میں تو گھر چلا'' خالد نے سائیکل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

آصف نے خالد کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خالد نے گردن موڑ کر جاتے ہوئے کہا: ''میری بات اگر تمہاری سمجھ میں آجائے تو پھر اس پر ضرور عمل کرنا، میں کل شام کو تمہارا انتظار کروں گا''، اتنا کہہ کر خالد سائیکل بھگاتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

آصف گھر آیا تو اس کا ذہن الجھا ہوا تھا، شیطان پٹی پڑھا رہا تھا، کہ خالد کی بات مان لو، جب کہ دل کہتا تھا نہیں! یہ سخت بری بات ہے کہ پیسے چوری کر کے سیر کے لیے جایا جائے۔ رات بھر آصف کے دل کی صحیح آواز اور دماغ کے فضول خیالات میں لڑائی ہوتی رہی، بالآخر دل جیت گیا، آصف کے اندر کی سچائی جیت گئی۔

اس نے اپنے والدین کو ساری بات بتا دی، جب وہ یہ باتیں بتا رہا تھا تو زار و قطار رو رہا تھا: ''ابا جان! میں بہت برا ہوں، مجھے معاف کر دیجیے، میں آیندہ کبھی برے دوست نہیں بناؤں گا اور میں ابھی خالد کے ساتھ دوستی ختم کر دوں گا، وہ مجھے بری بات کی طرف بلاتا تھا، اس لیے نیک ساتھیوں کو دوست بناؤں گا اور نیک کام شروع کروں گا اب اِنْ شَآءَ اللّٰہُ میرا ہر قدم برائی سے بچتے اور دوسروں کو بچاتے ہوئے آگے بڑھے گا، میں حق کی روشنی اور سچائی کا اجالا بنوں گا۔''

''ہاں بیٹا......! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اچھے اور برے دوست کی پہچان کر لی اور تم نے ساری بات مجھے بتا کر میری طبیعت خوش کر دی۔''[1]

فائدہ: عزیز ساتھیو! ہمیں کبھی بھی کسی کی ایسی ویسی باتوں میں نہیں آنا چاہیے، یعنی صرف وقتی لذت کو دیکھنے کے بجائے، انجام کو بھی سوچنا چاہیے کہ فلاں برا کام اگر

(۱) کہانی کہانی میں: ۱۰۷ تا ۱۱۱

میں نے کر ڈالا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تو یقینی ہے ہی اور اس دنیا میں میری پریشانی اور ذلت کا سامان بھی ہو گا۔

اسی طرح ہمیں اس طرف بھی توجہ کرنا ضروری ہے کہ اس دنیا میں ہمارے سب سے بڑے ہم درد اور خیر خواہ ہمارے ماں باپ ہی ہیں، ہمیں جب کسی چیز کی خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے ماں باپ کی خدمت میں عرض کر دینا چاہیے، وہ اس چیز کو ہمارے لیے فائدہ مند سمجھیں گے تو ضرور اس کا بندوبست کر دیں گے۔

نیک دوست کا ساتھ مل جائے اور برے دوست سے بچنے کے لیے یہ دعا مانگنی چاہیے:

① اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ يَّوْمِ السُّوْٓءِ وَمِنْ لَّيْلَةِ السُّوْٓءِ وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْٓءِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْٓءِ وَمِنْ جَارِ السُّوْٓءِ فِيْ دَارِ الْمُقَامَةِ.[1]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں برے دن سے، بری رات سے، ہر بری گھڑی سے، ہر برے ساتھی سے اور اپنی سکونت کے گھر کے برے پڑوسی سے۔"

② اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ خَلِيْلٍ مَّاكِرٍ عَيْنَاهُ تَرْيَانِيْ وَقَلْبُهُ يَرْعَانِيْ إِنْ رَّاٰى حَسَنَةً دَفَنَهَا وَ إِنْ رَّاٰى سَيِّئَةً أَذَاعَهَا.[2]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں ایسے مکار دوست سے جس کی آنکھیں مجھ کو دیکھیں اور اس کا دل میری ٹوہ میں لگا رہے اگر کوئی نیکی

(۱) مجمع الزوائد، الفتن، باب الاستعاذة من يوم السوء: ۳۲۰/۷، الرقم: ۱۱۹۶۱

(۲) فيض القدير: ۱۸۳/۱، الرقم: ۱۵۳۵

دیکھے تو اس کو چھپالے اور اگر برائی دیکھے تو اس کو پھیلاتا پھرے۔"

والدین کو اچھی بات کی ترغیب دینا اور بری بات سے روکنا

والدین اگر غیر مسلم ہوں یا دین اور دینی احکامات سے دور ہوں تو ایسی صورتِ حال میں سعادت مند، وفادار اولاد کے لیے یہ فیصلہ کرنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا قدم اٹھائے، والدین کو بلا روک ٹوک ان کے حال پر رہنے دے کہ وہ دین کے احکامات کو چھوڑتے رہیں اور ناجائز کام میں مگن رہیں یا انہیں دینِ اسلام کی دعوت دے اور ان احکامات کے ادا کرنے کی فرمائش کرے اور برائی سے بچنے کی درخواست کرے۔

وہ دونوں میں سے ایک فیصلے کو بھی خطرے سے خالی نہیں سمجھتی، ان کو یہ خدشہ ہوتا ہے کہ اگر والدین کو دینِ اسلام کی دعوت دی یا نیکی کی ترغیب دی یا برائی سے روکا تو وہ ناراض ہو جائیں گے اور ان کے ناراض ہونے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔

لیکن اس کے ساتھ اس کو یہ خطرہ بھی لاحق رہتا ہے کہ انہیں ان کی حالت پر چھوڑنے سے کہیں والدین پر شریعت کی مخالفت کے مرتکب ہونے کی وجہ سے اور خود اولاد پر "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے فریضے کو ترک کرنے کی بنا پر کوئی مصیبت نہ آجائے۔

ایسی صورت حال کے بارے میں قرآن و سنت اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرزِ عمل سے خود اپنے لیے اور دیگر مسلمان بہن بھائیوں کے لیے راہ نمائی حاصل کرنی چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾ (۱)

ترجمہ: ”(مسلمانو!) تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کی تخصیص نہیں فرمائی، جنہیں یہ امت ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کے ذریعے فائدہ پہنچاتی ہے، بلکہ جس طرح یہ امت دیگر لوگوں کو نیکی کا حکم دے کر اور برائی سے منع کر کے نفع پہنچاتی ہے، اسی طرح ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کے ذریعے والدین کو بھی نفع پہنچائے۔ (۲)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! کس کی؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی، اس کی کتاب، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے امام کی اور عام مسلمانوں کی۔“ (۳)

بنیادی بات اس حدیث شریف میں عامۃ المسلمین کی خیر خواہی ہے، وہ خیر خواہی جو عام مسلمانوں کے ساتھ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو وہ بات بتائے جس میں ان کی آخرت کا فائدہ ہو اور دنیا کا بھی، ان کو ایذا نہ دے، ان کو دین کی وہ بات سکھائے جو وہ نہیں جانتے، زبان سے اور ہاتھ سے ان کی مدد کرے، ان کے عیبوں کو چھپائے، ان کے نقصان کو دور کرے اور ان کے فائدے کے لیے کوشش کرے، ان کو نیک بات پر آمادہ کرے، نرمی، شفقت اور ملائمت کے ساتھ

(۱) اٰل عمران: ۱۱۰

(۲) والدین کا احتساب: ۲۱

(۳) صحیح مسلم، الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ، الرقم: ۵۵

ان کو بری بات سے منع کرے، ان سے فریب نہ کرے، ان کے واسطے وہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے، ان کے لیے اس چیز کو برا جانے جو اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو اور ان کے مال و عزت کی حفاظت کرے۔

یہ ہے خیر خواہی کا مفہوم عام مسلمانوں کے ساتھ تو اب ہم خود سوچیں کہ والدین اس خیر خواہی کے کتنے حق دار ہوں گے۔ لہٰذا والدین عام لوگوں سے بڑھ کر اس خیر خواہی کے حق دار ہیں اور ان کی خیر خواہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ انہیں نیکی کے کرنے اور برائی کو ترک کرنے کی تلقین کی جائے۔[1]

شیخ عمر سنامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اَمَر بِالْمَعْرُوفْ اور نَہِيْ عَنِ الْمُنْكَر ماں یا باپ کے تقدس اور مقام و مرتبے کی وجہ سے ذمے سے معاف نہیں ہوتا، کیوں کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم سب کو شامل ہے اور بات یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا دوسرے مسلمان بھائی کو نفع پہنچانا ہے۔ اس لیے اولاد کی طرف سے نفع پہنچانے کے سب سے زیادہ حق دار والدین ہیں۔“[2]

لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ والدین کو نیکی کا حکم دینے اور انہیں برائی سے روکنے کا اہتمام دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو۔

ایک مثال

والدین کے سامنے ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ بیان کرنے کی ضرورت اس مثال سے سمجھیے کہ والدین کے کمرے میں آگ بھڑک رہی ہے اور قریب ہے کہ وہ آگ انہیں جھلسا کر ختم کر دے، ان کا بیٹا گھر کے ایک دوسرے کمرے میں

---

(۱) والدین کا احتساب: ۲۳

(۲) نصاب الاحتساب: ۸۹

بیٹھا ہے۔ ایسی حالت میں بیٹے کی ذمہ داری کیا ہے؟

کیا اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تماشا دیکھتا رہے، یہاں تک کہ آگ اس کے عظیم محسن باپ کو کھا جائے، وہی محسن جس نے اس کی خاطر شب و روز محنت کی ...... گرمی کی حدت اور سردی کی شدت برداشت کی ...... طوفان، سیلاب، خوف اور پردیس کی مشقتیں...... اور صعوبتیں اس کی جد وجہد کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ کیا وہ ایسے محسن باپ کو آگ میں جلنے دے گا؟

کیا وہ اپنی پیاری ماں کو آگ میں جلتا دیکھ کر صبر کرے گا، وہی سراپا شفقت اور مجسمۂ ایثار ہستی جس نے انتہائی کرب و مشقت سے اس کو ایک مدت تک اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا......، پھر کم و بیش دو سال تک دودھ پلایا......، وہی ماں جس کی ساری ساری رات اس بیٹے کی بیماری کے سبب تڑپتے ......، اس کی خدمت اور تیمارداری کرتے گزرتی......، شدید سرد راتوں میں بستر کے خشک اور گرم حصے کو اس کے لیے مخصوص کرتی اور خود بصد خوشی گیلے اور ٹھنڈے حصے پر رات گزار دیتی، کیا وہ برداشت کرے گا کہ ایسی شفیق ہستی کو آگ اس کی آنکھوں کے سامنے نگل جائے اور وہ بے حس و حرکت تماشا دیکھتا رہے؟

اور جب دنیا کی آگ سے والدین کو بچانے کے متعلق اولاد کا طرزِ عمل جان قربان کر دینے کا ہوگا تو جہنم کی آگ سے والدین کو بچانے کے لیے ایک ہوش مند بیٹے یا بیٹی کی سعی و کوشش کس قدر شدید اور زیادہ ہوگی؟ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے صرف ایک حصہ ہے۔[۱]

اور جو بیٹا یا بیٹی والدین کو جلتے ہوئے دیکھ کر چپ سادھ لے اور انہیں بچانے کی غرض سے کچھ کوشش نہ کرے تو کیا اس کو والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں!۔[۲]

---

(۱) مسلم، الجنة و نعيمها، باب في شدة حر نار جهنم ......، رقم: ۵۰۷۷

(۲) والدین کا احتساب: ۵۶ تا ۵۷

والدین کو امر بالمعروف کرنے کا طریقہ

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''اگرچہ اولاد پر ماں باپ کا ادب واحترام لازم ہے، لیکن اگر وہ کسی ناجائز کام میں مبتلا ہوں تو ادب اور نرمی کے ساتھ صحیح بات بتانا ادب واحترامِ پدری کے منافی نہیں بلکہ عین خیر خواہی ہے۔

البتہ ایک مرتبہ ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی غلطی پر متبنہ کرنے کے بعد پھر اُن کے درپے نہ ہو، جو ان کی اذیت کا سبب بنے، بلکہ خاموشی اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ اُن کو صحیح راستہ کی ہدایت اور نیک عمل کی توفیق ہو۔''(۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے مشرک والد کی اصلاح کی تڑپ

حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز خود ان کے اپنے گھر میں قائم ہے اور ان کے والد آزر کی بت سازی وبت پرستی پوری قوم کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ دعوت حق اور پیغام صداقت کی ابتدا گھر ہی سے ہونی چاہیے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد آزر ہی کو مخاطب کیا اور فرمایا:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ

(۱) کشکول: ۱/۲۷۱

الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ (۱)

”ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں، اور نہ آپ کا کوئی کام کر سکتی ہیں؟ ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا اس لیے میری بات مان لیجیے میں آپ کو سیدھا راستہ بتلا دوں گا۔ ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجیے، یقین جانیے کہ شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ رحمٰن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب نہ آپکڑے، جس کے نتیجے میں آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔“

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس مخلصانہ وعظ و نصیحت کا باپ پر کوئی اثر نہیں ہوا، قبولِ حق کے بجائے آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکانا شروع کر دیا، کہنے لگا:

﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ (۲)

”ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں سے بے زار ہو؟ یاد رکھو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تم پر پتھر برساؤں گا، اور اب تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جاؤ۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے ایک جانب اگر باپ کے احترام کا مسئلہ ہے تو دوسری جانب ادائے فرض اور امر الٰہی کا

(۱) مریم: ۴۲ تا ۴۵

(۲) مریم: ۴۶

سوال تو انہوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو پیغمبر کے شایانِ شان ہوتا ہے، باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا، بلکہ نرمی، حکمت اور کریمانہ انداز کے ساتھ یہ جواب دیا:

﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۡ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝﴾ (۱)

”میں آپ کو (رخصت کا) سلام کرتا ہوں میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں سے بھی الگ ہوتا ہوں اور اللہ کو چھوڑ کر آپ لوگ جن جن کی عبادت کرتے ہیں، اُن سے بھی، اور میں اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ اپنے رب کو پکار کر میں نامراد نہیں رہوں گا۔“(۲)

فائدہ: اس سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوا کہ خیر خواہی اور ہمدردی کے سچے جذبات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے اپنے والدین کو ڈرائیے لیکن ان کی اصلاح کی کوشش میں کوئی ایسا لفظ یا اشارہ نہ ہو جس سے اپنی بڑائی، علمیت شیخی اور سخت لہجے کا اظہار ہو یا والدین کی تحقیر اور توہین کا پہلو نکلتا ہو بلکہ ساری بات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنائے رکھے کہ انہوں نے اُپنے والد کو کیسی نصیحت کی۔

یہی طریقۂ تعلیم ہے دعوت دینے کا ان بیٹوں / بیٹیوں کے لیے جن کے والدین عقائد یا اعمال کے لحاظ سے دین سے دور ہوں۔

---

(۱) مریم: ۴۷، ۴۸

(۲) قصص القرآن: ۱/۱۲۲

دیکھیے: ''یا ابت'' عربی لغت کے اعتبار سے باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے۔ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا۔ پھر کسی جملے میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں جس سے اُس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گم راہ یا کافر کہتے بلکہ حکمتِ پیغمبر ان کے ساتھ صرف اُن کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ اُن کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔(۱)

بیٹوں کی حسنِ تدبیر اور والد کا قبولِ اسلام

ایمان کی فضا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے یثرب (مدینہ منورہ) کے ایک ایک گھر میں داخل ہو رہی تھی، عمرو بن جموح کی عمر ساٹھ سال تک پہنچ چکی تھی اور اس وقت ان کے تینوں بیٹے، حضرت معاذ، حضرت معوذ، حضرت خلاد اور ان کے ایک ہم عمر ساتھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے تھے، اس کے علاوہ ان کے تینوں کی والدہ ہند رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہو گئیں تھی، لیکن عمرو بن جموح اس سے بالکل بے خبر تھے۔

عمرو بن جموح اپنے لڑکوں کے متعلق یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ کہیں یہ لوگ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر اس داعی اسلام (حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی پیروی نہ اختیار کر لیں، جس نے تھوڑی ہی مدت میں بہت سے لوگوں کو ان کے پرانے دین سے پھیر کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل کر لیا ہے، اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی سے کہا:

''ہند خبردار! دیکھو اس بات کا خیال رکھنا کہ جب تک ہم کسی فیصلے پر نہ پہنچ جائیں، تمہارے لڑکے اس شخص سے ملنے نہ پائیں۔''

(۱) معارف القرآن: ۳۵/۶، مریم: ۴۲

ہند نے کہا: "میں اس کا خیال رکھوں گی، لیکن کیا آپ پسند کریں گے کہ اپنے بیٹے معاذ سے وہ باتیں سن لیں جو اس شخص سے سن کر وہ بیان کر رہا ہے۔"

عمرو نے کہا: "اس کو میرے پاس بلاؤ۔"

اور جب معاذ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: "یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اس میں سے کچھ باتیں مجھے سناؤ۔" یہ سن کر بیٹے نے باپ کو "سورۂ فاتحہ" کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷﴾ (۱)

ترجمہ: "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے، جو روزِ جزا کا مالک ہے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے، نہ کہ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ اُن کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں۔"

عمرو بڑے غور و فکر کے ساتھ اپنے بیٹے کی زبان سے ادا ہوئے والی ان آیتوں کو سنتے رہے، پھر انہوں نے سر اٹھایا اور بیٹے سے کہنے لگے:

"مَا اَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامَ وَمَا اَجْمَلَهٗ اَوَ كُلُّ كَلَامِهٖ مِثْلُ هٰذَا؟."

ترجمہ: "کتنا خوب صورت اور حسین ہے یہ کلام، کیا اس کا سارا کلام

---

(۱) الفاتحۃ: ۱ تا ۷

ایسا ہی ہے؟"

معاذ نے کہا: "ان کا کلام بہت ہی خوب صورت ہے۔ ابا جان! کیا آپ ان سے بیعت کرنا پسند کریں گے، آپ کا پورا قبیلہ ان سے بیعت کر چکا ہے؟۔"

یہ سن کر عمرو بن جموح تھوڑی دیر تک خاموش رہے، پھر بولے: "مناۃ" سے مشورہ کیے بغیر میں ایسا نہیں کر سکتا، دیکھتا ہوں وہ مجھے کیا رائے دیتا ہے؟"

بیٹے نے کہا: "ابا جان! یہ ممکن ہی نہیں کہ "مناۃ" آپ سے کوئی بات کرے یہ تو ایک لکڑی کا بنا ہوا بت ہے، جس میں نہ سننے کی صلاحیت ہے، نہ جواب دینے کی اور نہ عقل ہے، یہ آپ کو مشورہ کیا دے گا؟"

عمرو بن جموح نے غصے سے کہا: "میں کہہ چکا ہوں کہ اس سے رائے لیے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد عمرو بن جموح وہاں سے اٹھ کر "مناۃ" کے پاس پہنچے۔ اور اس کے سامنے اپنے سیدھے اور تندرست پاؤں کے بل کھڑے ہو گئے، ان کا ایک پاؤں لنگڑا تھا۔ پہلے تو انہوں نے بت کی بہترین حمد و ثناء کی، پھر بولے:

"مناۃ! تجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ داعی جو مکہ سے ہمارے یہاں پہنچا ہے، وہ تیرے علاوہ کسی اور کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ وہ صرف اس لیے یہاں آیا ہے کہ ہمیں تیری عبادت سے روک دے اور میں اس کی اچھی باتیں سننے کے باوجود ان کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں، مجھے یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ یوں ہی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں، حال آں کہ میں نے اس کی بہت عمدہ باتیں بھی سنی ہیں، آج میں اسی لیے تجھ سے مشورہ لینے آیا ہوں تو مجھے اس سلسلے میں مناسب مشورہ دے۔"

لیکن جب "مناۃ" کی طرف سے ان کی بات کا کوئی جواب نہ ملا تو یہ صورتِ حال دیکھ کر بڑے غم گین ہو گئے اور کہا: "میرے پیارے مناۃ! شاید تو ناراض ہو گیا

ہے اور میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں آیندہ کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو تیرے لیے تکلیف دہ ہو، خیر کوئی بات نہیں، میں تجھ کو چند روز کی مہلت دیتا ہوں، تاکہ تیرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔"

ادھر عمرو بن جموح کے تینوں بیٹے "مناۃ" کے ساتھ اپنے باپ کے بہت زیادہ تعلق کو اچھی طرح جانتے تھے، ان کو یہ بات بھی خوب معلوم تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان کے لیے بہت اہم ہو چکا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ان کو اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ ان کے والد کے دل میں اس بت کی عقیدت و محبت کی بنیاد کمزور ہو رہی ہے اور اب یہ ان کا کام ہے کہ اس کی عقیدت کو اپنے والد کے دل سے پورے طور پر نکال دیں، ان کو ایمان کی طرف لانے کی یہی ایک شکل تھی۔

عمرو بن جموح کے لڑکے رات کے اندھیرے میں اپنے دوست حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ "مناۃ" کے پاس پہنچے اور اس کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس گڑھے پر لے گئے جس میں "بنو سلمٰی" کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالتے تھے۔

اس بت کو گڑھے میں پھینک کر چپکے سے گھر لوٹ آئے اور اس کام کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

صبح کو جب عمرو بن جموحِ اپنے بت کے پاس عبادت کے لیے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بت تو وہاں سے غائب ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے گھر والوں سے کہا:

"تم لوگوں کا برا ہو آج رات میرے معبود کے ساتھ کس نے دشمنی کی ہے؟"

لیکن اہلِ خانہ میں سے کسی نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ گھر کے اندر اور باہر اس کو تلاش کرتے پھرتے رہے، وہ سخت غصے میں چیخ چیخ کر گھر والوں کو دھمکی دیتے رہے اور آخر کار کافی تلاش کرنے کے بعد وہ ان کو گڑھے میں منہ کے بل الٹا پڑا ہوا مل گیا، انہوں نے اسے وہاں سے نکالا، اسے دھو کر صاف کیا اور خوشبو لگا کر دوبارہ اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے بولے:

"اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ

حرکت کی ہے تو میں اسے آج بہت ذلیل ورسوا کرتا۔"

دوسری رات بھی لڑکوں نے "مناۃ" کے ساتھ وہی حرکت کی جو پچھلی رات کر چکے تھے۔

صبح کو جب عمرو بن جموح نے اسے تلاش کیا تو اسی گڑھے میں گندگی میں ملوث پایا، آج بھی انہوں نے اس کو وہاں سے باہر نکال کر دھویا اور خوش بو لگا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

لڑکے ہر رات اس کے ساتھ یہی سلوک کرتے رہے، یہاں تک کہ جب عمرو بن جموح ان کی اس حرکت سے بالکل تنگ آگئے تو ایک رات سونے سے پہلے اس کے پاس گئے اور اپنی تلوار اس کی گردن میں لٹکاتے ہوئے بولے:

"يَا مَنَاةُ، إِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ مَنْ يَّصْنَعُ بِكَ هٰذَا الَّذِيْ تَرٰي، فَإِنْ كَانَ فِيْكَ خَيْرٌ فَادْفَعِ الشَّرَّ عَنْ نَّفْسِكَ، وَهٰذَا السَّيْفُ مَعَكَ."

ترجمہ: "اے میرے مناۃ! اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کون کرتا ہے؟ اگر تیرے اندر ذرا بھی خیر ہو تو تو اپنا دفاع کر، یہ تلوار تیرے پاس موجود ہے۔"

یہ کہہ کر وہ خود اپنے بستر پر آکر لیٹ گئے اور جب بیٹوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اباجان گہری نیند میں پہنچ کر آس پاس سے بے خبر ہو چکے ہیں تو وہ چپکے سے بت کے پاس پہنچے، انہوں نے اس کی گردن میں پڑی ہوئی تلوار نکال لی اور اس کو اٹھا کر گھر کے باہر لے گئے، اس مرتبہ انہوں نے ایک مردہ کتے کو اس کے ساتھ باندھ دیا اور دونوں کو اسی گڑھے میں پھینک دیا۔

صبح کو جب ان کے والد سو کر اٹھے اور بت کو اپنی جگہ موجود نہیں پایا تو اس کی تلاش میں نکلے اور حسبِ معمول اس کو اسی گڑھے میں اس حال میں منہ کے بل پڑا ہوا پایا کہ اس کے ساتھ ایک مردہ کتا بندھا ہوا تھا اور تلوار اس سے چھین لی گئی تھی۔

اب یہ منظر دیکھ کر ان کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اس کو گڑھے

سے نہیں نکالا، بلکہ جہاں لڑکوں نے اسے پھینکا تھا، وہیں چھوڑ دیا اور بولے:

”وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ إِلٰهًا لَمْ تَكُنْ أَنْتَ وَكَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِي قَرَنٍ.“

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! اگر تو واقعی معبود (اور مشکل کشا) ہوتا تو کتے کے ساتھ بندھا ہوا گڑھے میں نہ پڑا ہوتا۔“

پھر اس کے بعد انہیں اللہ کے دین میں داخل ہونے میں دیر نہ لگی اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ (۱)

فائدہ: جہاں ہم اپنی خواہش والدین سے پوری کروانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں، وہیں اگر ہم اپنے والدین کو دینِ اسلام سے قریب کرنے کے لیے ادب و احترام کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکمت عملی اپنائے گے تو ہمیں ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کا ثواب بھی ملے گا اور والدین بھی جنت کے راستے پر گام زن ہو جائیں گے۔

والدہ کے اسلام کے لیے بے چین ہونا

حضرت اروىٰ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ ان کا نکاح عمیر بن وہب سے ہوا، ان سے طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شروع کی تو حضرت طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر قسم کے حالات سے بے نیاز ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارِ ارقم سے مسلمان ہو کر گھر پہنچے اور والدہ سے عرض کیا: ”اماں جان! میں اپنے ماموں زاد بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آیا ہوں، بے شک وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔“

(۱) صور من حياة الصحابة: ۷۳ تا ۷۷، اس کتاب کا ترجمہ دار الہدیٰ کراچی نے ”صحابہ کرام کے واقعات“ کے نام سے شائع کیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات میں ایک بہترین کتاب ہے، اس کے پڑھنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت نصیب ہوگی۔

اس وقت تک حضرت اروىٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بیٹے کی بات سن کر ناراض نہیں ہوئیں، بلکہ درد بھرے انداز میں ان سے کہا:

"میرے بچے! تم نے بہت اچھا کیا، تمہارا بھائی آج مخالفتوں کے طوفان میں گھرا ہوا ہے، بے کس اور مظلوم ہے اور واقعی تمہاری مدد کا مستحق ہے، اے کاش! مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو اپنے بھتیجے کو ان ظالموں کے ظلم سے بچاتی۔"

یہ سن کر حضرت طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے اور بولے: "تب اماں جان! آپ بھی اسلام قبول کر لیں نا۔"

یہ سن کر اروىٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: "بیٹا! مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے۔"

طلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو کر بولے: "اماں جان! اب انتظار کا وقت نہیں رہا، اللہ کے لیے ابھی میرے ساتھ چلیے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائیے۔"

حضرت اروىٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹے کو انکار نہیں کیا، اسی وقت ان کے ساتھ ہو لیں، دار ارقم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئیں، یہ واقعہ نبوت کے تیسرے سال کا ہے۔

دونوں ماں بیٹے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح مدد کرتے رہتے تھے، حضرت اروىٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اپنے بیٹے کو بار بار کہا کرتی تھیں، جاؤ! اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ خود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار تھے، ماں کی بات سن کر ان کا حوصلہ اور بڑھ جاتا۔ اس طرح وہ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور خدمت کرنے کی کوشش میں رہتے۔[1]

سبق: جو مبارک نوجوان کسی نیک مقصد کے حصول یا دینی جدوجہد میں مصروفِ

---

(۱) تذکار صحابیات: ۳۲۱ تا ۳۲۲، مآخذہ المستدرك، معرفة الصحابة، ذکر مناقب طلیب، الرقم: ۵۰۳۹

عمل ہیں، ان کے لیے صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں بہت ہی اہم ہدایت پوشیدہ ہے، کہ والدین کی حوصلہ افزائی اگر شامل حال ہو تو اولاد کے لیے کٹھن سے کٹھن منزل کا حصول سہل معلوم ہوتا ہے، اور اس کے لیے بہت ضروری ہے کہ والدین کو دعوتِ خیر مسلسل دیتے رہے اور اُن کی اصلاح اللہ جل شان سے دن رات مانگتے رہے۔

والدہ کی ہدایت کے لیے بار بار دعوت اور دعا کا اہتمام

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ مشرک تھیں۔ میں ان کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو دعوت دی۔ انہوں نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑی ناگوار باتیں سنائیں۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر اور اور عرض کیا: "یارسول اللہ! میں اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا، وہ انکار کر دیا کرتی تھیں۔ آج میں نے ان کو دعوت دی تو انہوں نے آپ کے بارے میں بڑی ناگوار باتیں کہیں آپ میری والدہ کی ہدایت کے لیے دعا فرمایے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَللّٰهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِيْ هُرَيْرَةَ." (۱)

"اے اللہ ابوہریرۃ کی والدہ کو ہدایت دے دے۔"

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لے کر خوشی خوشی گھر کو چلا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ بند تھا میری والدہ نے میری قدموں کی آہٹ سن کر کہا: ابوہریرہ! ذرا ٹھہرو۔ میں نے پانی گرنے کی آواز سنی (میری والدہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے غسل فرما رہی تھیں) میری والدہ نے کرتہ پہن لیا اور جلدی میں دُوپٹہ نہ اوڑھ سکیں اور دروازہ کھول کر فرمایا:

---

(۱) مسلم، من فضائل ابي هريرة، رقم: ٤٥٤٦

"أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

اصلاح کا انداز

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ."

بہت گرم جوشی سے شیما نے سلام کہا، آج وہ بہت خوش تھی اور خوش کیوں نہ ہوتی اس کا قرآن مجید حفظ ہوا تھا، آج اسے قرآن مکمل کرنے کی کتنی خوشی تھی۔ اس نے اسامہ کو بھی منع کر دیا تھا کہ یہ خوش خبری میں خود ابو کو سنا کر عمرے پر جانے کا وعدہ یاد دلاؤں گی۔

لیکن جیسے ہی شیما کی نظر سامنے صوفے پر بیٹھے اپنے ابو کی طرف اٹھی، وہ بجھ سی گئی۔ وہ ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھنے میں مصروف تھے، انہوں نے اس کا سلام سنا تک نہیں، جواب تو کیا دیتے۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اسامہ کئی دنوں سے اس کی خاموشی کو محسوس کر رہا تھا، وہ سوچتا ہوا بہن کے پیچھے چل دیا۔ اتنے دنوں سے وہ صبر کیے ہوئے تھی، بھائی کے پوچھنے پر کافی روئی، لیکن بھائی کو کچھ نہ بتایا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی اسامہ پھر اس کے پیچھے ہو لیا: "شیما! بتا دو نا بھئی، کیا بات ہے، میں تمہارا بھائی ہوں؟"

"بھائی جان! اصل میں بات یہ ہے کہ میں جب بھی ابو کو دیکھتی ہوں، مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔"

"ارے! کیا ابو تمہیں مظلوم نظر آتے ہیں جو تمہیں دکھ ہوتا ہے۔"

"نہیں بات یہ نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا ہے؟"

"وہ دراصل میں ابو کی ڈاڑھی کے بارے میں کہہ رہی تھی۔"

"پاگل کہیں کی...... بھلا یہ بھی کوئی رونے والی بات ہے۔" یہ کہتے ہوئے اسامہ

اٹھ کر چلا گیا۔

شیما کی ساری رات کروٹیں بدلتے ہوئے گزری وہ بہت بے چین تھی کہ کسی طرح اپنے ابو کو اس غلط کام سے روک دے۔ مگر وہ اپنے ابو کو کچھ کہنے سے قاصر تھی......

بہرحال آج اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ آج وہ خلافِ معمول فجر کی نماز پڑھ کر سوئی نہیں تھی حال آں کہ آج جمعہ تھا۔ وہ پھر بھی اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئی، جیسے ہی اس نے ملازم کو شیونگ مگ میں گرم پانی لے جاتے ہوئے دیکھا، وہ دوڑتی ہوئی کچن میں گئی، وہاں سے اس نے ایک بڑا سا کٹورا لیا اور اپنے ابو کی طرف چلی گئی جو واش بیسن پر کھڑے شیو کر رہے تھے: ''ابو جان! میں یہ کٹورا لائی ہوں۔''

''کیوں بیٹی! کٹورے کا باتھ روم میں کیا کام؟''

''ابو جان! آپ روزانہ شیو کرتے ہیں ناں تو داڑھی کے بال اس میں رکھ دیا کریں، کیوں کہ یہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ہم مسلمان ہیں، ہمارے ہی ہاتھوں ڈاڑھی کی بے حرمتی ہونا بہت بڑا جرم ہے اور بے حرمتی یہ ہے کہ یہ بال گٹر میں چلے جاتے ہیں، گٹر تو ناپاک ہوتے ہیں ناں۔'' وہ کہتی ہوئی تیزی سے واپس چلی گئی۔

چند دن بعد وہ مدرسے جانے کے لیے تیاری کر رہی تھی تو اس کے ابو اس کے کمرے میں آئے اور بولے: ''بیٹی! اگلے ہفتے ہم لوگ عمرے پر جا رہے ہیں۔''

عمرے پر جانے سے زیادہ اسے ابو کی بڑھی ہوئی ڈاڑھی دیکھ کر خوشی ہوئی...... خوشی سے اپنے ابو کے گلے لگ کر رو دی، وہ اپنی چھوٹی سی بیٹی کا کھلتا ہوا چہرہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے۔ [۱]

فائدہ: اگر ہم پورے طور پر کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں صرف اپنی ذاتی نیکیوں پر

(۱) بشکریہ بچوں کا اسلام، شمارہ نمبر ۱۲۴ ارمضان ۱۴۲۵ھ

مطمئن نہیں ہونا چاہیے، بلکہ دوسروں کو بھی نیکی اور بھلائی کی راہ پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دنیا میں خیر اور بھلائی جب ہی عام ہو سکتی ہے جب ہم دین کی دعوت کو عام کریں۔

والدین پر نیک بیٹے کی نصیحت کا اثر

ایک دن اسکول سے واپسی پر بدر نے اپنے دوست فیض بخش سے کہا:

"دوست! میں اپنے گھرانے کو گناہوں سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"اس سے اچھی بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔ ضرور بچاؤ، روکا کس نے ہے؟" فیض بخش نے لاپروائی سے کہا۔

بدر نے گھور کر اسے دیکھا، قدرے ناراضی سے بولا: "میں بہت سنجیدہ ہوں، اس لیے تم بھی سنجیدگی سے میری بات سنو۔"

"ٹھیک ہے، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" فیض بخش نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں، ہمارے گھر سے ٹی وی اور کیبل کا وجود ختم ہو جائے۔" بدر نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے تمہارے خیالات سے اتفاق ہے؛ اس لیے کہ خود بھی ان فضولیات سے دور بھاگتا ہوں، اللہ کا شکر ہے، ہمارا گھر ابھی تک اس لعنت سے پاک ہے۔"

"اور میں چاہتا ہوں، ہمارا گھر بھی اس سے پاک ہو جائے، کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہو؟" بدر نے جلدی سے کہا۔

فیض بخش نے چند لمحے کچھ سوچا، پھر بولا: "میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے، اگر تم نے سلیقے سے اس پر عمل کیا تو یقیناً تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" فیض بخش نے اسے ساری ترکیب بتادی۔

ایک دن بدر گھر میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں مسجد میں اذان ہو گئی، تھوڑی دیر کے بعد بدر کی والدہ نے کہا: "بدر بیٹا! نماز کا وقت ہو گیا ہے، اٹھ کر نماز کی تیاری

کرو۔"

والدہ کی آواز سن کر وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے کتنی بار کہا ہے، آپ مجھے نماز کے لیے نہ کہا کیجیے......" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"نماز کے نام سے تمہاری جان کیوں جاتی ہے؟ پہلے تو تم ایسے نہ تھے۔" والدہ نے کہا۔

"میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔" بدر نے جلدی سے کہا اور چارپائی سے اتر کر دروازے کی طرف جانے لگا تھا کہ امی نے اس کا کندھا پکڑ لیا، بولیں:

"آج تمہیں بتانا ہی پڑے گا، تم نماز سے باغی کیوں ہو گئے ہو؟"

"مجھے جانے دیجیے، میرے دوست میرا انتظار کرتے ہوں گے، واپسی پر بتادوں گا۔"

دو گھنٹے بعد واپس لوٹا تو امی نے اسے پکڑ لیا، بولیں: "اب بتاؤ، تم نے نماز کیوں چھوڑ دی ہے؟"

"امی! نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟"

"اس لیے کہ نماز کا حکم ہمیں ہمارے رب نے دیا ہے۔" امی نے کہا۔

"امی! مسلمان نماز پڑھے اور گناہوں سے بھی محفوظ نہ رہے تو......!! بدر کی یہ "تو" کافی طویل تھی۔

"میں کیا کہوں، آدمی کو گناہوں سے بچنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، نماز یہی تو سکھاتی ہے......"

"ٹھیک کہا آپ نے، اسی لیے تو میں نماز نہیں پڑھتا۔" بدر نے جلدی سے کہا:

"تمہارا مطلب ہے، تم نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ گناہ بھی کرتے ہو۔"

بدر کے ذہن میں فوراً فیض بخش کی باتیں گونجنے لگیں وہ کہنے لگا:

"امی! ہمارا معاشرہ اس قدر غلیظ ہو چکا ہے کہ کوئی شخص گناہوں سے محفوظ

نہیں رہ سکتا، آدمی چاہے...... نہ چاہے، لیکن اس سے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور سرزد ہو جاتا ہے۔ میں بہت کوشش کرتا تھا، مجھ سے گناہ نہ ہوں، لیکن مجھے اپنی کوشش میں ہمیشہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔"

اس کی والدہ بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ انہوں نے سنا، وہ کہہ رہا تھا:

"امی! گلیوں اور بازاروں میں تو گند ہے ہی، ہمارے گھروں کا ماحول بھی اچھا نہیں رہا، گھر جو کبھی بچوں کی پہلی اور اچھی درس گاہ ہوا کرتے تھے، اب بگاڑ کے ابتدائی اسکول بن گئے ہیں۔ جب سے ہمارے گھر میں سی ڈی پلیئر آیا اور کیبل ٹی وی شروع ہوا ہے، میرے لیے گویا مصیبت ہی آگئی ہے۔

اگر میں یہ کہوں کہ گناہوں کی جڑ کو گھر میں جگہ دے دی گئی ہے تو غلط نہ ہو گا، میں بری باتوں، بری حرکتوں سے بچنا چاہتا تھا لیکن آپ نے......" بدر خاموش ہو گیا۔ اس کی والدہ حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ وہ دل کی بھڑاس نکالنے پر تلا ہوا تھا، وہ کہہ رہا تھا:

"آپ ہی بتادیں، جب سے ہمارے گھر میں سی ڈی پلیئر اور کیبل ٹی وی کی آمد ہوئی ہے، کیا ہم سب کے معمولات تبدیل نہیں ہو گئے ہیں؟ دین صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ نمازیں پڑھ لی جائیں، کبھی کبھی قرآن مجید کی تلاوت کر لی جائے......

امی! نیکی اور بدی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، مگر میں دیکھ رہا ہوں، ہمارے گھر میں ان دونوں کی دوستی کرائی جارہی ہے، گھر کے بچے ہی نہیں، بڑے بھی فلموں اور ڈراموں کے دیوانے ہو گئے ہیں۔" بدر خاموش ہوا تو والدہ نے کہا:

"بدر...... تم...... تم......"

"امی! مجھے کہنے دیجیے، ہمارے گھر میں رات کے وقت کیبل چلتا ہے اور صبح سویرے بھی، گویا رات کا کھانا کیبل اور صبح کا ناشتا بھی کیبل، بچوں کی تربیت والدین کی ذمہ داری اور فرض ہے۔ اگر وہی ان کے لیے گناہ خرید لائیں تو کیا ہو گا؟

محمود کو لے لیجیے، جب سے گھر میں گناہ آیا ہے، اس کی تعلیمی حالت کیسی ہے؟

آپ اچھی طرح واقف ہیں، آپ ہمیں ذہنی اور جسمانی لحاظ سے تندرست اور توانا دیکھنا چاہتے ہیں تو اللہ کے لیے اس لعنت کو، اس گناہ کو گھر سے اتنی دور لے جائیں کہ اس کا سایہ بھی ہم پر نہ پڑے۔" بدر چپ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں سفید موتی جھلملا رہے تھے۔

اسی دوران محمود بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا اور بولا:

"امی، امی! ابو کیبل کی تار اُتار رہے ہیں، کیا آپ نے ان سے کچھ کہا ہے؟"

"میں نے...... میں نے تو ان سے کچھ نہیں کہا ہے۔" والدہ نے کہا: پھر وہ پلٹ کر بدر کی طرف دیکھنے لگیں۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور یہ مسکراہٹ یقیناً فیض بخش کی شان دار ترکیب کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر والدہ بھی مسکرادیں، پھر وہ کمرے سے باہر جانے لگیں تو بدر نے آہستہ سے کہا: "امی! میں آپ سے ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔"

"کون سی بات......؟"

"یہی کہ میں نے نماز پڑھنا نہیں چھوڑی، اللہ کا شکر ہے میں نے تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی ہیں، لیکن آپ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہونے دیا......"

"اس کا مطلب ہے، جب تم غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے، گھر سے باہر چلے جاتے تھے تو کہیں اور نہیں نماز ہی پڑھنے جاتے تھے!!" والدہ نے حیران ہو کر کہا

"جی ہاں۔" بدر مسکرایا۔

"لیکن میں نے تمہیں مسجد میں کبھی نہیں دیکھا۔" محمود حیران تھا۔

"دیکھتے بھی کیسے...... میں تو دوسرے محلے کی مسجد میں نماز پڑھتا رہا ہوں۔"

"اوہ...... اوہ......" امی اور محمود کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ بدر کے چہرے پر

موجود مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔[1]

فائدہ: دین کی بات دوسروں تک پہنچانا اور دوسروں کو برائیوں سے روکنا صرف دوسروں ہی کی نہیں ہماری نجات کے لیے بھی ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ دین کی دعوت کا عمل انجام دے کر دوسروں کو بھی اور خود کو بھی دنیا کی ہلاکت سے بچائیں۔

آپریشن ڈش انٹینا

جب وقار کو یقین ہو گیا کہ اب امی، ابو گہری نیند سو گئے ہوں گے اور ان کے ہم سائے چچا مقصود کے گھر والے بھی، تو وہ آہستہ سے اٹھا، اپنے بستے کو وہیں کمرے میں چھوڑ کر برابر والے کمرے میں چلا گیا، وہاں سے اس نے پیچ کس نکالا اور چھت کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا، وہ دبے پاؤں چھت پر چلتا ہوا آگے بڑھا اور ایک چھوٹی سی دیوار پھاند کر اپنے چچا مقصود کی چھت پر پہنچ گیا۔

ہر طرف تاریکی تھی، لوگ کمروں میں دبکے سو رہے تھے۔ وہ چھت پر رکھے ڈش انٹینا کی طرف بڑھا اور پھرتی سے اس کی ایل، این، بی (ڈش کا ایک اہم پرزہ) کے پیچ کھولنے لگا، چاروں پیچ کھول کر اس نے جیب میں ڈالے، تار کھول کر نیچے رکھی، پیچ کس جیب میں ڈالا اور ایل، این، بی پکڑ کر جس راستے سے آیا تھا، اسی راستے سے واپس ہولیا، کمرے میں آکر اس نے ایل، این، بی کو بستے میں رکھا اور خوشی خوشی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

وقار آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں نیکی اور سچائی اس کے کردار کا ایک حصہ بن گئی تھی، وہ ہمیشہ اچھائی اپنانے اور برائی مٹانے کے لیے کوشش کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سے اس کے چچا مقصود نے اپنے گھر ''ڈش انٹینا'' لگوائی تھی وہ یہی سوچتا رہتا تھا کہ کس طرح اس برائی کو ختم کر دے، مگر وہ صرف سوچ کر رہ جاتا تھا، اس کے ذہن میں کوئی عملی طریقہ نہیں آسکا تھا، لیکن اس

---

(۱) بشکریہ بچوں کا اسلام

وقت اس کی سوچ نے عمل کا روپ اختیار کر لیا، جب اس نے یہ واقعہ پڑھا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دو بچے معوذ، معاذ اپنے بت پرست والد (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) کا بت چوری چھپے اٹھا کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیتے تھے، والد اپنا جھوٹا معبود نہ پا کر بہت پریشان ہوتے تھے، جب یہ عمل بار بار دہرایا گیا تو والد نے بت سے مایوس ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔"

یہ واقعہ پڑھ کر اچانک وقار کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔

"اس طرح تو میں بھی چچا مقصود کو برائی سے بچا سکتا ہوں۔" وہ بڑبڑایا، پھر اس نے ایک منصوبہ بنایا جس پر وہ آج کامیابی سے عمل کر چکا تھا۔

صبح سویرے وہ حالات کا جائزہ لینے کے لیے چچا کے گھر چلا گیا۔ سارے گھر والے بے حد پریشان تھے کیوں کہ شام کو ڈش پر ان کے پسندیدہ پروگرام آنے والے تھے، سب لوگ اس پرزہ چور کو برا بھلا کہہ رہے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ جس کی شرارت ہو گی وہ کل تک ایل، این، بی واپس پھینک جائے گا، مگر ایسا نہ ہوا۔ اس خیال سے وقار بہت خوش ہوا کہ اس نے ایک رات کے لیے لوگوں کو برائی سے بچا لیا اور بے ہودہ چینل دیکھنے سے رکنے پر مجبور کر دیا، مگر اس وقت اس کی خوشی پر پانی پھر گیا جب چچا مقصود نے نئی ایل، این، بی لا کر لگا دی۔

وقار کو بے اختیار ان ہی دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما واقعہ یاد آ گیا جب ان کے والد بت ڈھونڈ کر لائے تو وہ دوبارہ بت کو اٹھا کر باہر پھینک آئے، اگلے دن دوپہر کے وقت وقار نے پھر کل کی طرح ایل، این، بی کھول لی، شام سے پہلے ٹیوشن جاتے ہوئے دونوں پرزے بستے میں چھپائے اور نہر میں پھینک دیئے۔

لیکن اگلے دن ایک نئی ایل، این، بی لگ چکی تھی اور اسے رسی کے ساتھ مضبوطی سے باندھا گیا تھا، یہ کارروائی وقار صبح ہی دیکھ چکا تھا۔ اس بار دوپہر کو آتے ہوئے وہ چاقو بھی ساتھ لایا۔ پہلے تو وہ چھپ کر دیکھتا رہا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا، کیوں کہ صبح چچا مقصود نگرانی کی باتیں کر رہے تھے، مگر اسے کوئی بھی نظر نہ آیا، اس

نے تھوڑی دیر کے بعد اپنا کام مکمل کر لیا۔

شام کو ٹیوشن سے واپس آنے کے بعد اس کا جی چاہا کہ وہ چچا کے گھر جا کر جائزہ لے کہ وہ لوگ راہِ راست پر آئے ہیں یا نہیں۔ اس کے جانے سے پہلے ہی چچا ان کے گھر آ گئے، وہ کافی پریشان تھے۔ وہ سیدھے وقار کے ابو کے پاس جا بیٹھے۔ وقار پہلے ہی بے چین تھا، وہ بھی ان کے پاس جا بیٹھا۔

''مقصود! کیا بات ہے، کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟'' وقار کے ابو نے پوچھا۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی کے ہاں چوری ہونے کا علم تو تھا، مگر انہوں نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا، کیوں کہ وہ پہلے ہی ڈش سے ناخوش تھے۔

''بھائی جان! کیا بتاؤں! اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف زدہ ہوں۔ آپ کو علم تو ہے، ہمارے ہاں چوری ہونے کا، دراصل میں اس چوری کو اللہ کی طرف سے اپنے لیے تنبیہ سمجھتا ہوں......

پہلے دن جب پرزہ چوری ہوا تو میں نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا، لیکن دوسری مرتبہ چوری ہونے پر میں نے نگرانی کا فیصلہ کیا اور چھت پر آنے والی سیڑھیوں پر بیٹھ کر چور کا انتظار کرنے لگا، لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دوپہر سوا ایک بجے میری آنکھ لگ گئی، ڈیڑھ بجے آنکھ کھلی، انٹینا کی طرف دیکھا تو وہ پرزہ غائب تھا۔ میں نے اسے اتفاق سمجھا، میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ نے مجھے برائی سے بچانے کے لیے چور کو اتنی مہلت دی ہے۔ اس کے بعد میری اتنی ہمت نہ ہوئی کہ میں مزید نافرمانی کروں، بھائی میں نے گھر سے ڈش کو نکال پھینکا ہے۔ اب اتنی خوشی محسوس کر رہا ہوں جو کبھی نصیب نہیں ہوئی اور اب میں نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے۔''

اتنا سننا تھا کہ وقار کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں سنا اور بھاگ کر کمرے میں گیا، سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ایک گھرانے کو برائی سے بچا لیا۔ (۱)

(۱) بشکریہ بچوں کا اسلام، شمارہ نمبر ۶۰، ۲۹ جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ

فائدہ: اگر ہمارے گھر میں یا کسی عزیز قریبی رشتہ دار کے گھر میں کسی فرد ...... والد / والدہ، بھائی / بہن، چچا / ماموں یا چچازاد، ماموں زاد کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں منہمک ہے تو ہمیں بھی انہیں دین کی دعوت پہنچانے اور نافرمانیوں سے روکنے کی ایسی ہی فکر ہو کہ جب تک وہ راہِ راست پر نہ آجائے تو ہمیں چین نہ آئے، لیکن ہر جگہ طریقہ ایک ہی نہ ہو بلکہ مزاج کو سمجھ کر دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے بعد کوئی قدم اٹھائیں اس مقصد کے لیے محلہ کے کسی نیک اور داعیانہ مزاج کے حامل فرد سے مشورہ بھی بہت مفید ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سچی تڑپ پر ضرور مدد فرمائیں گے۔

سچی خوشی

”خالد! کہاں غائب تھے اتنی دیر سے؟“ خالد نے ابھی گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس کے کانوں سے اس کے والد فضل صاحب کی کڑک دار آواز ٹکرائی اس کے قدم وہیں رک گئے۔ نظر اٹھائی تو سامنے اس کے والد غصہ میں بھرے کھڑے تھے۔ وہ کچھ کہنے یا نہ کہنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی والدہ اس کی طرف داری کرتی ہوئی بولی ”آپ بھی حد کرتے ہیں! بچہ اگر نیک محفل میں بیٹھنے لگا ہے تو آپ اسے کیوں روکتے ہیں؟ اللہ نہ کرے اگر برے لڑکوں کے ساتھ وقت گزارنے لگے تو کیا ہم اسے تباہی سے بچا سکتے ہیں؟ آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمارے اکلوتے بیٹے کا رخ صحیح جانب کر دیا۔“ فضل صاحب بھی لاجواب ہونے والوں میں نہ تھے۔ فوراً جھنجھلا کر بولے ”میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ ملا لوگ خود بھی کچھ نہیں کرتے، دوسروں کو بھی کاہل بنا دیتے ہیں۔ خالد! بہت ہو گیا! تمہیں اپنا سارا وقت صرف پڑھائی پر لگانا چاہیے اور بس!“ یہ کہہ کر وہ بلا جواب سنے تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

چند دنوں سے یہ روز کا معمول تھا۔ خالد نے جب سے پانچ وقت مسجد جانا

شروع کیا تھا فضل صاحب کی فکر میں اضافہ ہو گیا تھا کہ خالد "زمانے سے کٹ" ہی نہ جائے، اپنی اس پریشانی کا اظہار وہ کبھی کبھی کھانے کے وقت کر دیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے خالد عشا کے بعد درسِ قرآن میں بھی شریک ہونے لگا تھا تو فضل صاحب نے سختی زیادہ ہی کر دی تھی اور ہر روز عشا کے بعد خالد کو گھر آنے پر اسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

لیکن خالد بھی مجبور تھا کہ شروع دن سے ہی وہ امام صاحب کی پر سوز تلاوت کو اپنے دل میں اترتا محسوس کرتا تھا۔ اور جب وہ قرآن پاک کا مفہوم و مطلب عام فہم الفاظ میں سمجھاتے تو اسے ذہن کے نئے دروازے کھلتے محسوس ہوتے۔ اس کے لیے قرآن کی ہر آیت نئی زندگی کا پیغام لاتی جس میں وہ دنیا و آخرت کی بھلائی چھپی ہوئی پاتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ وہ روزانہ والدین کو شوق سے درس میں سیکھا ہوا سبق سنائے لیکن والدہ کو گھریلو کاموں سے فرصت کہاں؟ اور اس کے والد کی روشن خیالی کا اس پیغام سے تعلق کہاں؟ فضل صاحب تو جمعہ کی نماز پڑھنے بھی جاتے تھے تو خطبہ اختتام کے قریب ہوتا تھا۔

اس کشمکش میں وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا نیند کوسوں دور تھی دوسرے کمرے سے والدہ کی فکر مند آوازیں آرہی تھیں "آپ اُن لوگوں کی بات مان لیں جیسا کہ آپ پہلے بھی ان کی مان لیا کرتے تھے" فضل صاحب نے جواب دیا "لیکن ہزاروں انسانوں کی زندگی کا سوال ہے۔" مسز فضل مزید گھبرا کر بولی "یہ بھی تو سوچیے کہ میں اس عمر میں عدالت کے کیسے چکر کاٹوں گی۔" فضل صاحب جواب دیے بغیر ہی مسز فضل کو پریشان بیٹھا چھوڑ کر اپنے کمرے چل دیے۔

خالد دس سال کا تھا لیکن سمجھ دار تھا ان مختصر جملوں میں چھپی دہشت وہ سمجھ گیا۔ والدہ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ والدہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر سمجھ گئیں کہ جو بات وہ اپنے اکلوتے بیٹے سے اتنے دنوں سے چھپا رہی تھیں، خالد وہ سن چکا ہے۔

"اس لیے خالد کے اصرار پر وہ تفصیل بتانے لگیں۔ "بیٹا! تم تو جانتے ہو کہ پچھلے بیس سال سے تمہارے والد ادویات کی جانچ پڑ تال کے سرکاری محکمے میں کام کر رہے ہیں۔ میرے منع کرنے، سمجھانے کے باوجود وہ جعلی دواؤں کو "اصلی و مفید" کا سرٹیفکیٹ دیتے آئے ہیں۔ لیکن پچھلے ہفتہ ان کے سامنے ایسی دوائی پڑ تال کے لیے لائی گئی جو موت کی سرحد کے قریب پہنچے ہوئے مریضوں کے لیے ظاہری امید کا آخری کنارہ سمجھی جاتی ہے۔ ظالموں نے اس میں بھی ملاوٹ کر کے مفید اجزا نکال کر نقلی اجزا ڈال کر کروڑوں روپے لاکھوں لوگوں کی جانوں کے عوض کمانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اب تمہارے ابو اس کو اجازت نامہ عطا کر دیتے ہیں تو لاکھوں مریضوں کا قاتل ان کا ضمیر ان کو ٹھہراتا ہے اور اگر اس سے انکار کر دیتے ہیں تو وہ جعلساز تمہارے ابو کی تمام ماضی میں کردہ غلطیوں کی اطلاع افسرانِ بالا کو کر کے اُن کو جیل بھی بھیج سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ لوگ تمہارے ابو کو تعاون نہ کرنے کی صورت میں طرح طرح کی دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔"

والدہ سے پریشان کن بات سن کر خالد وقتی طور پر گھبرا گیا لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں روشنی نمودار ہوئی وہ بولا۔

"امی جان! آپ بالکل نہ گھبرائیے۔ میں نے آج ہی درس میں یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھ لے وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔[1] اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح یہ کلمات تین مرتبہ پڑھ لیتا ہے تو شام تک کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ."[2]

آپ ابو کو سمجھائیں کہ وہ ان غلط لوگوں سے نہ گھبرائیں۔ بس کل سے فجر کی

(۱) صحیح مسلم، المساجد، باب فضل صلاۃ العشاء والصبح الرقم: ٢٦١

(۲) ابوداؤد، الادب، باب ما يقول إذا أصبح: ٢/٣٣٨

نماز پڑھ کر یہ دعا تین مرتبہ ضرور پڑھ لیا کریں اللہ تعالیٰ خود حفاظت کریں گے۔ کل میں ان شاء اللہ امام صاحب سے مشورہ بھی کرلوں گا۔"

یہ کہہ کر خالد نے والدہ کو سلام کیا اور سونے چل دیا۔

اگلے دن شام کو جب اس کی والدہ نے خالد کو یہ بتایا کہ آج اس کے والد آفس میں سکون واطمینان اور احساسِ تحفظ محسوس کرتے رہے تو اس کا ایمان مزید پختہ ہو گیا۔ وہ والدہ سے کہنے لگا "امی! آج میں نے امام صاحب سے ابو کی پریشانی بتائی تو انہوں نے مجھے ایک بہت پیاری حدیث سنائی جو میں نے یاد کرلی۔

"تَحَرَّوا الصِّدْقَ، وَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ الْهَلَكَةَ فِيْهِ، فَإِنَّ فِيْهِ النَّجَاةَ."(۱)

"سچ بولو! اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت ہی نظر آئے کہ یقیناً سچائی میں ہی نجات ہے۔"

امی! امام صاحب یہ بھی فرمارہے تھے کہ دنیا کی سب سے سچی بات قرآن و احادیث ہیں، ان پر عمل ہی دنیا و آخرت کی ہر پریشانی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ لہٰذا تمہارے والد کو ساری سچائی افسرانِ بالا کو بتا دینی چاہیے۔ پھر دیکھو! اللہ تعالیٰ کیسی مدد فرماتے ہیں۔"

مسز فضل کچھ دیر سوچ کر گویا ہوئیں! "لیکن بیٹا! اس صورت میں وہ جعلساز افسران کو یہ بھی بتا دیں گے کہ ماضی میں تمہارے ابو ان کی جعلی دواؤں کو اصلی ہونے سرٹیفکیٹ دیتے رہے ہیں۔ پھر جو ہو گا...... اس کے تصور سے بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں" مسز فضل نے بڑی مشکل سے جملہ مکمل کیا۔ خالد فوراً ادب سے بولا "لیکن امی! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ سچ میں کامیابی ہے تو ناکامی کیسی؟"

اس کے بعد مسز فضل نے فضل صاحب کو یہ ساری بات سمجھائی خلافِ توقع

---

(۱) الترغيب و الترهيب، باب في الصدق: ١/ ٦٩٤، الرقم: ٤٥٠١

افضل صاحب کو بھی یہ بات جلد ہی سمجھ آگئی۔ انہوں نے آفس جاتے ہی افسرانِ بالا کو ساری صورتحال بیان کی اور گذشتہ پر معافی افسران نے متعلقہ فیصلے میں جناب فضل صاحب کو در گزر کرنے اور جعلساز کمپنی کو بند کرنے، اس کے مالکان کو سلاخوں کے پیچھے قید کرنے کا اعلان کر دیا۔

شام کو فضل صاحب مٹھائی کا ڈبہ خالد کو دیتے ہوئے کہنے لگے ”خالد بیٹا! آج سے عشا کے درس میں میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھا کروں گا تاکہ میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی بھلائی کو پالوں۔ بے شک اس پرفتن دور میں مسنون دعاؤں سے بڑھ کر کوئی حفاظت کا ذریعہ نہیں۔“

خالد یہ سنتے ہی فضل صاحب سے لپٹ گیا اس کی خوشی دیدنی تھی۔

والدین کی وفات کے بعد حسنِ سلوک

ہمارے والدین زندہ ہیں تو ان کی قدر کر لیں، نافرمانی سے باز آجائیں اور اگر کسی کے والدین اس حالت میں وفات پا چکے ہیں کہ وہ ان کی نافرمانی کر کے ان کو ناخوش رکھتا تھا تو اب بھی موقع ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق والدین کو نیکی پہنچائیں۔

اسی طرح وہ لوگ جو زندگی بھر والدین کی خدمت اور ان کی فرماں برداری کرتے رہے اب جب والدین دنیا میں نہیں رہے تو وہ یہ گمان نہ کریں کہ شاید اب حسنِ سلوک کا دروازہ بند ہو گیا ہے بلکہ نبوی تعلیمات کی روشنی میں حسنِ سلوک جاری رکھیں۔

حضرت ابو اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، قبیلہ بنو سلمہ کے ایک آدمی نے آکر دریافت کیا: ”اے اللہ کے رسول! کیا والدین کی وفات کے بعد بھی کچھ ایسی صورتیں ممکن

ہیں کہ جس سے میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا رہوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں (صورتیں ہیں)۔

① ان کے لیے دعاو استغفار کرنا۔

② ان کے عہد کو پورا کرنا۔

③ ان کے تعلق سے جو تمہارے رشتے دار ہیں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

④ اور ان کے احباب، دوستوں کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کرنا۔[1]

فائدہ: والدین کی وفات کے بعد ان کے حق میں حسنِ سلوک کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار صورتیں بیان فرمائی ہیں جس کی تشریح مندرجہ ذیل ہے:

① والدین کے لیے دعاو استغفار

پانچ وقت کی نماز اور دوسرے موقعوں پر جب بھی ہم دعا کریں تو اس وقت اپنے لیے، اپنے والدین اور پوری امت کے لیے دعا مانگیں، انبیا علیہم السلام نے اپنے لیے اپنے والدین اور اپنی امت کے لیے بار بار دعائیں مانگی ہیں، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ ہمیں ان دعاؤں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے اس کی بڑی طاقت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"تُرْفَعُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ دَرَجَتُهُ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نیک بندے کا درجہ اس کی موت کے بعد بلند فرمادیتے ہیں۔"

وہ عرض کرتا ہے: "یہ درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

(۱) ابوداؤد، الأدب، باب في بر الوالدين، الرقم: ٥١٤٤

"تمہاری اولاد نے تمہارے لیے جو مغفرت کی دعا کی اس کی وجہ سے۔"(۱)

اسی طرح جن سے والدین کی زندگی میں ان کے پورے حقوق ادا نہ ہو سکے اور وہ ان سے ناراض ہو کر چلے گئے تو جب یہ والدین کے لیے دعا و استغفار کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرماں برداروں میں شامل کر لیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انسان کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک کا انتقال ہو جاتا ہے، یہ شخص ان کی زندگی میں نافرمانی کرتا رہا، اب ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا و استغفار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والوں میں شامل کر دیتے ہیں۔"(۲)

② والدین کے عہد و پیمان کو پورا کرنا

ہمارے والدین نے کسی سے کوئی وعدہ کر رکھا ہو یا کسی سے کوئی معاہدہ کیا ہو اور اس کی مدت پوری ہونے سے پہلے اُن کا انتقال ہو جائے یا ان دونوں میں سے کسی نے نذر مانی تھی، لیکن نذر پوری کرنے سے پہلے انتقال کر جائے تو ہمیں چاہیے کہ ان کے کیے ہوئے وعدے کو پورا کریں، ان کے معاہدوں کو نبھائیں اور ان کی نذر پوری کریں۔

یعنی جس نیک مصرف میں مال خرچ کرنے کی انہوں نے نذر مانی تھی، اس مصرف میں ہم بھی اُن کی طرف سے مالی تعاون کریں۔ اور اگر کسی بدنی عبادت مثلاً نماز، روزہ کی نذر مانی تھی تو اتنی ہی نمازوں یا روزوں کا فدیہ (پونے ۲ کلو گندم) ادا کریں والدین اگر ترکہ میں اس قدر رقم چھوڑ گئے ہیں تو نذر پوری کرنے کا یہ حکم واجب ہے ورنہ مستحب۔ بہر حال والدین کی مانی ہوئی نذر پوری کرنا باعث ثواب بھی ہے اور مثالی اولاد کی اخلاقی ذمہ داری بھی۔(۳)

---

(۱) الادب المفرد، باب بر الوالدین بعد موتهما: ۲۵، الرقم: ۳۶

(۲) شعب الإيمان، باب في بر الوالدين: ۱٦/ ٤٢٠، الرقم: ٧٦٦٣

(۳) تکملة فتح الملهم، کتاب النذر: ۲/ ۱٤۹

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ کا انتقال ہو گیا انہوں نے غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی، کیا میں اُن کی طرف سے غلام آزاد کر دوں؟ آپ نے فرمایا:

''أَعْتِقْ عَنْ أُمِّكَ''

''اپنی والدہ کی طرف سے آزاد کر دو۔''[1]

اسی طرح انہوں نے اگر اپنے مال میں سے کسی کو کچھ دینے کی وصیت کی تھی تو اُن کے چھوڑے ہوئے مال کے ایک تہائی حصہ میں سے اس کو پورا کرنا واجب ہے، البتہ اگر زائد کی وصیت کی ہو تو ہمارا والدین کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہوگا کہ اپنے اوپر ان کو ترجیح دیں اور جس کے لیے وصیت کی ہو اس کو پورا ادا کر دیں۔ شرعاً یہ تو واجب نہیں ہے لیکن باپ کی روح کو خوش کر کے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا اجر حاصل کر لینا سعادت مندی ہوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر والدین پر کسی کا قرضہ تھا اور وہ ادا کیے بغیر دنیا سے رخصت ہوئے تو ہمیں چاہیے کہ ان کے قرضہ کی ادائیگی کی کوئی صورت نکالیں، تاکہ ان کے ذمے سے یہ بوجھ اتر جائے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جائیں۔

حدیث میں ہے ''جو شخص والدین کی وفات کے بعد ان کے قرضے کو ادا کرے اور ان کی نذر کو پورا کر دے جس کی وجہ سے لوگوں کو برا بھلا کہنے کا موقع نہ ملے تو وہ شخص اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا ہوگا خواہ زندگی میں ان کی نافرمانی کر چکا ہو۔ اور جو شخص ان کے قرضے کو ادا نہ کرے اور نہ ان کی نذر کو پورا کرے جس کی وجہ سے لوگوں کو برا بھلا کہنے کا موقع مل جائے تو وہ اپنے والدین کا نافرمان ہوگا اگرچہ زندگی میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا رہا ہو۔''[2]

(۱) سنن النسائي، الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت، رقم: ۳۵۶۹

(۲) الجامع لشعب الايمان، فصل في حفظ الوالدين بعد موتهما: ۱۰/۳۰۲، الرقم: ۷۵۲۹

③ والدین کے رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا

ہمارے جتنے رشتے دار ہیں ان میں سے اکثر رشتوں ناتوں کا جوڑ آدمی سے اس کے ماں باپ کے واسطے سے ہوتا ہے، اس لیے اولاد پر صلہ رحمی کا ایک عظیم فریضہ ہے اور ان رشتوں کو جوڑے رکھنا والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہے، کیوں کہ یہ سب رشتے ناطے والدین ہی کے مرہونِ منت ہیں۔

لہٰذا جس طرح رشتہ ناتا کا جوڑنا اللہ تعالیٰ کو محبوب اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہے، اسی طرح ان رشتوں کو کاٹنا اور ناتے کا توڑنا غضبِ الٰہی کا ذریعہ اور والدین کی نافرمانی ہے، اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں ہیں جن میں صلہ رحمی کی تاکید اور اس کے فضائل وارد ہوئے ہیں، چند فضائل ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ ہمارے دل میں صلہ رحمی کی اہمیت وعظمت پیدا ہو جائے۔

گناہوں کا کفارہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟“

”کیا تیری والدہ زندہ ہے۔“

اس شخص نے عرض کیا: ”جی نہیں!“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟“

”کیا تیری کوئی خالہ زندہ ہے۔“

اس شخص نے کہا: ”جی ہاں!“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فَبِرَّهَا.“

''تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کر۔''(۱)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی انسان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے یعنی رشتے داروں کے ساتھ انسان جو سلوک و احسان کرتا ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خالہ بمنزلہ ماں ہے یعنی خالہ کے ساتھ جو نیک سلوک کیا جائے اس کا وہی ثواب ملتا ہے جو ماں کے ساتھ نیک سلوک سے ملتا ہے۔

لہٰذا ہم اپنے رشتہ داروں کا حق معلوم کر کے ان کے ساتھ صلہ رحمی و محبت قائم رکھیں اور خوش حالی اور افلاس دونوں حالتوں میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، اگر انہیں مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کریں، اگر وہ محتاج ہوں تو ان پر خرچ کریں۔ ان کو دینے میں دوہرا ثواب ہے۔

④ والدین کے دوست واحباب کے ساتھ حسنِ سلوک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ملنے جلنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے اکرام و تعظیم کی تلقین فرمائی ہے۔

والدین کا انتقال ہو جائے اور ان کے دوست، احباب زندہ ہوں تو سعادت مند اولاد کی سعادت مندی یہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرے، ان کا ادب و احترام کرتا رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ''(۲)

ترجمہ: ''نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے بعد اُن کے دوست احباب کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

---

(۱) جامع الترمذي، ابواب البر والصلة، باب ما جاء في بر الخالة: ۱۲/۲

(۲) صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل صلة ......: ۳۱۴/۲

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر خوب عمل پیرا تھے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ آیا تو میرے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے اور کہنے لگے:

''ابو بردہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں؟''

میں نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم'' (آپ کیوں آئے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمانے لگے: ''میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصِلَ أَبَاهُ فِيْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ إِخْوَانَ أَبِيْهِ بَعْدَهٗ.''

ترجمہ: ''جو شخص قبر میں اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ والد کے مرنے کے بعد والد کے دوست احباب کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

اور پھر فرمایا: ''بھائی میرے والد (حضرت) عمر اور آپ کے والد کے درمیان بھائی چارہ اور دوستی تھی میں چاہتا ہوں کہ اس دوستی کو نبھاؤں اور اس کے حقوق ادا کروں۔''(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اللہ جل شانہ نے اتباعِ سنت میں اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ اس حدیث پر بھی آپ نے خوب عمل کر کے ہمارے لیے قابلِ اتباع کئی واقعات بطور نمونہ چھوڑ گئے۔

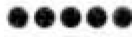
آپ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سفر میں تھے۔ راستے میں ایک دیہاتی سے ملاقات ہوئی تو آپ نے سر سے عمامہ اتار کر اس کے سر پر باندھا اور اسے اپنا خچر بھی عطا فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے

(۱) صحیح ابن حبان، ذکر البیان بان بر المرء باخوان ابیہ: ۱/۲۳۸، رقم: ٤٣٤

عرض کیا کہ یہ تو دیہاتی آدمی تھا۔ بہت تھوڑے انعام پر بھی راضی ہو جاتا، آپ نے اسے اتنا کیوں نوازا؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ اس شخص کے میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے تعلقات تھے اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ وُدَّ أَبِيْهِ."(۱)

"بڑی نیکیوں میں سے ایک بڑی نیکی اپنے باپ کے تعلق والوں سے اچھا سلوک ہے۔"



(۱) مسلم، البر والصلة، فضل صلة الاصدقاء، رقم: ٤٦٣٩

امتحانی پرچہ

محترم!

مندرجہ ذیل سوالات کو غور سے پڑھیے اور سوال کو کم از کم تین بار تو ضرور پڑھیے۔ پھر ٹھنڈے دل و دماغ سے اچھی طرح سوچ سمجھ کر صحیح صحیح اور بالکل انصاف کے ساتھ جواب دیجیے۔

اگر آپ کا پورا جواب ''جی ہاں'' میں ہے تو آپ دس نمبروں کے مستحق ہیں، لہٰذا نمبر والے خانے میں دس نمبر لگا لیجیے، اور اگر کسی سوال کا آدھا جواب ''جی ہاں'' اور آدھا ''جی نہیں'' میں ہے تو نمبر والے خانے میں پانچ نمبر لگا لیجیے، اگر اللہ نہ کرے کسی سوال کا جواب ''جی نہیں'' میں ہے تو آپ اس سوال میں صفر کے مستحق ہیں، لہٰذا نمبر کے خانے میں صفر لگائیے۔

اس طرح اگر آپ کے کل نمبرات سو بنے تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو مثالی اولاد بنایا ہے اور اگر خدانخواستہ آپ کے نمبرات سو سے کم ہیں تو اس کے لیے دعاؤں کے ساتھ ساتھ فکر اور کوشش کیجیے کہ یہ کمی دور ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو مثالی اولاد بنائے۔

اب ذرا سوالات کی طرف آئیے۔

سوال نمبر ①: کیا آپ فرض نمازوں کے بعد والدین کے احسانات کو یاد رکھتے ہوئے ان کے لیے رحمت و عافیت کی دعا کرتے ہیں؟ اگر جواب ''جی ہاں'' ہے تو کیا قرآن کریم کی پیاری دعا: ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا﴾ (اے رب! جس طرح انہوں نے مجھے میرے بچپن میں پالا ہے آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے۔) کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرتے ہیں؟

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ②: کیا آپ اپنے والدین کے ہر جائز حکم کو بلا چوں و چرا مان لیتے ہیں؟ اُن کی خدمت بے زاری کا اظہار کیے بغیر کرتے رہتے ہیں؟

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ③: اگر آپ ماشاء اللہ برسر روزگار ہیں لیکن ذاتی اخراجات بھی کم نہیں۔ یا شادی شدہ ہیں تو بیوی بچوں کے خرچ بھی ہیں۔ کیا ان سب ذمہ داریوں کے باوجود آپ اپنی آمدنی میں بوڑھے والدین کا مناسب حصہ نکال لیتے ہیں؟ موقع بموقع ان کے لیے ہدیے لے جاتے ہیں۔

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ④: کیا آپ تعلیمی امتحانات میں کام یابی کے لیے والدین کی خدمت کر کے ان سے دعائیں لینے کی کوشش کرتے ہیں؟ اور زندگی کے مشکل حالات میں والدین سے مشورہ کرتے رہتے ہیں؟

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ⑤: اپنے والد محترم کے آگے چلنا، ان کو نام لے کر پکارنا، ان سے پہلے کھانا شروع کر دینا والد کے ادب کے خلاف ہیں آپ اپنی زندگی میں ان آداب کا خیال رکھتے ہیں؟

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ⑥: نیک اولاد کی خواہش اور دعا تو انبیا علیہم السلام نے بھی کی ہے؟ آپ دین پر عمل کر کے اپنے والدین کو خوش قسمت ہونے کا احساس دلانے کی فکر کرتے ہیں؟

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ⑦: دنیا اور آخرت میں کام آنے والا علم تو علمِ دین ہی ہے مثالی اولاد کی طرح کیا آپ بھی علمائے کرام کے پاس دین سیکھنے جاتے رہتے ہیں؟ گرمیوں یا سردیوں کی چھٹیوں کو قیمتی بنانے کے لیے قریب ترین مسجد میں ہونے والے چالیس روزہ کورس میں شرکت کرتے ہیں؟ محلے کی مسجد میں ''فضائل اعمال'' کی تعلیم میں بیٹھتے ہیں۔

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ⑧: جس طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اسی طرح آپ کی ایک ایک ادا اللہ تعالیٰ کو پیاری ہے کیا آپ سنتوں کو سیکھنے اور گھر میں والدین، بہن بھائیوں کو سیکھانے کا اہتمام کرتے ہیں؟

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ⑨: کیا آپ اپنے والدین کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار اس یقین کے ساتھ کر لیتے ہیں کہ ''سچ ہی میں نجات ہے''؟

جواب:.................. نمبر:..................

سوال نمبر ⑩: کیا آپ کے اکثر دوست دین دار ہیں؟ اگر نہیں، تو کیا اس کتاب کو پڑھنے کے بعد نئے شریف دوست بنانے اور پرانے دوستوں کو دین دار بنانے کی نیت کر لی؟

جواب:.................. نمبر:..................



مراجع ومصادر

کتابوں کے نام	مصنفین کے نام	مطبع
اصلاحي خطبات	(مفتي محمد تقي عثماني)	(ميمن اسلامك پبلشرز، كراچي)
اكابر ديوبند كيا تھے	(مفتي محمد تقي عثماني)	(ادارة المعارف، كراچي)
الادب المفرد	(امام محمد بن اسماعيل البخاري)	(قديمي كتب خانه)
الترغيب والترهيب	(حافظ زكي الدين بن عبد العظيم)	(دار الكتب العلمية، بيروت)
التفسير الكبير	(فخر الدين الرازي)	(دار الكتب العلمية)
الجامع الصغير	(جلال الدين السيوطي)	(دار الكتب العلمية)
الجامع لشعب الايمان	(احمد بن الحسين البيهقي)	(مكتبة الرشيد، الرياض)
الدر المنثور	(علامه جلال الدين عبد الرحمن السيوطي)	(مطبع اميرية، مصر)
المستدرك	(ابو عبد الله حاكم النيسا پوري)	(دار الحرمين، مصر)
المستطرف	(علامه شهاب الدين)	(دار الكتب العلمية، بيروت)
المصنف لعبد الرزاق	(ابو بكر عبد الرزاق صنعاني)	(ادارة القرآن، كراچي)
المعجم الكبير	(حافظ ابو القاسم سليمان الطبراني)	(ادارة القرآن والعلوم الاسلامية)
با ادب با نصيب	(مولانا ذو الفقار)	(مكتبة الفقير)
بچوں كا اسلام		(ماهنامه)
بر الوالدين	(جمال الدين بن الجوزي)	(مؤسسة الكتب الثقافة)
تراشے	(مفتي محمد تقي عثماني)	(دار الاشاعت، كراچي)
تفسير ابن ابي حاتم	(ابن ابي حاتم الرازي)	(دار الكتب العلمية)
تفسير ابن كثير	(حافظ ابن كثير)	(دار السلام للنشر والتوزيع)
تفسير الطبري	(ابو جعفر ابن جرير الطبري)	(دار الكتب العلمية)
تفسير عثماني	(علامه شبير احمد عثماني)	(خادم الحرمين رياض، سعودي)

تفسیر قرطبي ....(ابوعبدالله محمد بن احمد الانصاري) .... (دارالفکر، بیروت)

تنبیه الغافلین................(فقیه ابو اللیث سمر قندي).................. (زم زم ببلشرز، کراچي)

جامع الترمذي .... (حافظ ابوعیسیٰ محمد الترمذي)................ (دارالسلام للنشر و التوزیع)

جامع بیان العلم.................... (ابن عبدالبر).........(ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراچي)

حیاة الصحابه (عربي)(مولانا محمد یوسف کاندهلوي) ....(کتب خانه فیضي، لاهور)

حیاة الصحابه (مترجم)......(مولانا احسان الحق) .... (زمزم ببلشرز، کراچي)

حیوة الملسلمین............(مولانا اشرف علي تهانوي).............................. (المیزان)

خطبات فقیر......................(مولانا ذوالفقار احمد) .... (مکتبة الفقیر)

خواتین کا اسلام..(روزنامه "اسلام" کا ہفت روزه)

روح المعاني...............(علامه محمود آلوسي البغدادي) .... (مکتبه امدادیه، ملتان)

سنن ابن ماجه.......... (حافظ ابوعبدالله محمد ابن ماجه)..................(مکتبه رشیدیه دهلي هند)

سنن ابي داؤد.....................(حافظ سلیمان بن الاشعث)...................(دارالسلام للنشر والتوزیع)

سنن نسائي............... (احمد بن شعیب النسائي)...................................... (المیزان)

شرح اسماء الحسنیٰ......(قاضي سلیمان منصور پوري) ....(المصباح، اردو بازار لاهور)

صحیح ابن حبان.............. ترتیب امیر علاء الدین ....مکتبة التجاریة، مکة المکرمة

صحیح البخاري .... (امام محمد بن اسمٰعیل البخاري)................ (دارالسلام للنشر و التوزیع)

صحیح مسلم .... (حافظ مسلم ابوالحسن بن الحجاج) ....(ایچ. ایم سعید کمپني، کراچي)

صفة الصفوة.....................(جمال الدین ابن الجوزي)............................ (داالکتب العلمیة)

صور من حیاة الصحابه ..... (دکتور عبدالرحمن)............ (مکتبه غفوریة عاصمیة، کراچي)

طبقات الکبري .... (ابن سعد)........................ (دار صادر بیروت، لبنان)

فضائل اعمال.................(شیخ الحدیث مولانا زکریا) ....(مکتبه فیضي، لاهور)

فیض القدیر ....(عبدالرؤوف المناوي)......................(دارالکتب العلمیة)

قرآن مجید ....(تاج کمپني کراچي)

قصص القرآن .... (مولانا حفظ الرحمن سیوهادو) ....(دارالاشاعت، کراچي)

کشکول معرفت .... (مولانا محمد حکیم اختر) ....(کتب خانه مظهري، کراچي)

كنزالعمال .... (علامه علاء الدين علي متقي)............... (دارالكتب العلمية، بيروت)

ماهنامه الرشيد مدني واقبال نمبر ....(ترجمان جامعه رشيديه ساهيوال)

مثالي استاذ ....(محمد حنيف عبدالمجيد) .... (بيت العلم ٹرسٹ، کراچي)

مجمع الزوائد......... (حافظ ابوبكر نورالدين الهيثمي)........... (دارالكتب العلمية، بيروت)

مرشد الدعاة.............. (محمد غير الخطيب).................... (دارالكتب العلمية، بيروت)

مسند احمد.................... (امام احمد بن حنبل).......................(بيت الافكار الدولية)

مشكوٰة المصابيح .... (شيخ محمد بن عبدالله)....................................(دار ابن حزم)

مصنف ابن ابي شيبة (علامه ابوبكر عبدالله بن محمد ابن ابي شيبه) .... (دارالفكر، بيروت)

معارف الحديث .... (مولانا محمد منظور نعماني)......................(دارالاشاعت، کراچي)

معارف القرآن.............. (مفتي محمد شفيع)..............................(ادارة المعارف، کراچي)

معارف القرآن .... (مولانا محمد ادريس كاندهلوي)...................... (مكتبه عثمانيه، لاهور)

مناجات الصالحين......... (مولانا امداد الله انور) .... (مكتبه دار المعارف، ملتان)

موطا امام مالك.................... (امام مالك).............................(قديمي كتب خانه، کراچي)

نضرة النعيم.................... (صالح بن عبدالله)........................(دارالوسيلة، مكة المكرمة)

نفحة العرب.......................(مولانا اعزاز علي)................................. (المصباح)

والدين كي قدر كيجيے ...(محمد حنيف عبدالمجيد)................................. (دارالهدي)



صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی

☆ یہ کتاب حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہرہ آفاق کتاب "حیاۃ الصّحابہ" سے نوجوانوں کی تربیت کے لیے لیے گئے منتخب اقتباسات پر مشتمل ہے، خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگی جس میں حقوق العباد کی اہمیت عملی واقعات کے ذریعے سمجھائی گئی ہے۔

☆ صحابہ کرام کی دعائیں کہ صحابہ کرام کس طرح اور کن الفاظ سے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگتے تھے۔

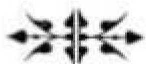
☆ اسی طرح اس کتاب میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیانات، وصیتیں، نصیحتیں، اور دعائیں شامل کی گئی ہیں اور ہر صحابی کے حالات کے اختتام پر ایک مذاکرہ (مشق) بھی دیا گیا ہے۔

☆ یہ کتاب ہے مختصر لیکن پُراثر اور انتہائی جامع ہے، جو محبانِ صحابہ کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ والدین اور اساتذہ و معلّمات کے لیے نوجوانوں کی تربیت و اخلاق سنوارنے کے لیے ایک بہترین ذریعہ ہے۔



صبح وشام کی دعائیں

یہ کتاب صبح وشام کی مسنون دعاؤں اور بطورِ وظیفہ ہر تنگی و پریشانی سے بچنے اور دل و دماغ کو سکون پہنچانے والی بہترین دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ یہ دعائیں حفاظت و عافیت، ناگہانی بلاؤں اور آفتوں سے بچاؤ کے لیے بہترین قلعہ ہے، سیکنڈری اسکول کے طلبہ وطالبات کو بچپن میں یہ دعائیں یاد کروانا بہت مفید ہے۔



آیئے ہم ایک دوسرے کے مددگار بنیں

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ،

اُمید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے...... گرامی قدر محترم جناب

آپ اور آپ کی آراء ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے...... اصلاحی تجویز...... اور مفید بات بتائیں۔

یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ادارے کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار بنیں گے۔

اُمید ہے جس جذبہ سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبہ کہ تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

◎ ٹرسٹ کی کس کس کتاب کا آپ نے مطالعہ فرمایا مثلاً ☆تحفہ دلہن...... ☆تحفہ دلہا...... ☆مثالی ماں...... ☆مثالی باپ...... ☆طریقہ وصیت...... ☆اسمائے حسنیٰ...... ☆مثالی اُستاذ، کسی کو تکلیف نہ دیجیے وغیرہ؟ ________

◎ کتاب کا تعارف کیسے ہوا؟ ________

◎ کیا آپ نے اپنے محلّہ کی مسجد...... لائبریری...... یا مدرسہ/ اسکول...... میں اس کتاب کو وقف کر کے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفہ میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟ ________ اگر نہیں تو آج ہی یہ نیک کام شروع فرمائیں۔

◎ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟ ________

◎ کتاب کی کمپوزنگ، جلد اور کاغذ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

معمولی ہے ☐ بہتر ہے ☐ اعلیٰ ہے ☐

◎ کتاب کی قیمت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سستی ہے ☐ مناسب ہے ☐ مہنگی ہے ☐

◎ کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والے ناشر اور پڑھنے والوں کے لئے دعائیں تو کرتے ہوں گے......

کتاب میں اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہو تو مندرجہ ذیل چارٹ میں تحریر فرمادیں تو عنایت ہوگی۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلطی کی نوعیت

◎ ڈاک پتہ

تاریخ: ____________

نام: پتہ: ____________

____

اس پتے پر خط پوسٹ فرما کر آپ بھی نیکی اور علم کے پھیلانے میں معاون بن سکتے ہیں۔

ہمت کیجیے اور اپنے مفید مشورہ اور دعا سے ادارہ کا تعاون کیجیے۔

مکتبہ بیت العلم کی اب تمام کتابیں آپ بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

Bait-ul-Ilm
St-9E, Block-8, Gulshan-e-Iqbal, Karachi.
Ph: 021-4976339, Fax: 021-4972636
E-Mail: writers_panel@yahoo.com

بیت العلم
ST-9E، متصل الحمد مسجد
بلاک 8 گلشن اقبال کراچی۔